اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو تھامے رکھو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو (آل عمران: ۱۰۳)
# مسلکی ہم آہنگی کے چند تابناک نقوش

مؤلف

مفتی محمد عبد اللہ قاسمی

استاذ جامعہ اسلامیہ دار العلوم حیدر آباد

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران: ۱۰۳)

اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو تھامے رکھو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو

مفتی محمد عبداللہ قاسمی

استاذ دارالعلوم حیدرآباد

# جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں


| | |
|---|---|
| نام کتاب | مسلکی ہم آہنگی کے چند تابناک نقوش |
| مؤلف | مفتی محمد عبداللہ قاسمی |
| | استاذ فقہ وادب جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد |
| | موبائل نمبر:08688514639 |
| تعداد صفحات | ۷۲ |
| سن اشاعت | ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۰۲۰ء |
| کمپوزنگ | مولوی محمد عبدالعلیم قاسمی |

# فہرست عناوین



## اختلاف رائے اور انبیاء کرام علیہم السلام کا اسوہ

# اختلاف رائے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اسوہ



# ائمہ مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم کے مابین اختلاف رائے اور آپسی ادب واحترام کے چند روشن نقوش

## محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کی اپنے مخالفین کے ساتھ وسعت ظرفی



## ماضی قریب کے اکابر علماء کے مابین اختلاف رائے اور باہمی ادب واحترام کی چند تابناک مثالیں

## اختلاف رائے کے باوجود اتحاد



## مسلکی ہم آہنگی اور اس کا طریقہ کار

## عارف باللہ حضرت مولانا شاہ جمال الرحمٰن صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

### سرپرست لجنۃ العلماء تلنگانہ وآندھرا وصدر دینی مدارس بورڈ

**بسم الذی قال اذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا**

مسلکی ہم آہنگی کے چند تابناک نقوش نام سے عزیزم مفتی محمد عبداللہ قاسمی نے بندے کے پسندیدہ موضوع پر ایک بہترین کتاب تالیف فرمائی ہے، کم عمر نوجوان عالم دین کی اس کاوش سے بہت مسرت ہوئی، قرن اول سے حالیہ عرصہ تک صحابہ، اکابرین علماء، فقہاء اور محدثین کے مابین اختلاف رائے کے باوجود باہمی ادب واحترام کی مثالیں پیش فرما کر موجودہ دور میں پائی جانے والی باہمی منافرت کو کم کرنے اور اتحاد کے ماحول کو بنانے کی جہت متعین کرنے کی قابل قدر کوشش فرمائی ہے۔

تحریر قابل فہم، شائستگی اور ادبیت کی چاشنی کے ساتھ مسلکی ہم آہنگی کے طریقہ کار سے متعلق مفید تجاویز بھی تحریر فرمائی ہیں، مندرجات کتاب باحوالہ ہیں، اہل علم اور بزرگوں کی زندگیوں کے یہ احوال سب کے لئے مشعل راہ ہیں، اتحاد اور اجتماعیت مدد الٰہی کا ذریعہ ہے، اور موجودہ حالات میں انتہائی ضروری ہیں، اہل اسلام پر کیے جانے والے خارجی حملوں کے دفاع کی ایک موثر تدبیر بھی۔

حق تعالی مؤلف موصوف کی اس کاوش کو شرف قبولیت بخشے، اور لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اس سے استفادے کی توفیق عطا فرمائے۔

(حضرت مولانا شاہ) جمال الرحمٰن (صاحب مفتاحی دامت برکاتہم)

۲۱ / ربیع الاول ۱۴۴۲ھ بروز اتوار

## حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی دامت برکاتہم العالیہ

نائب شیخ الحدیث وصدر مفتی جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على عبده ورسوله محمد بن عبد الله، وعلى آله وأصحابه ومن سلك سبيله واهتدى بهداه إلى يوم الدين.اما بعد!

کسی بھی انسانی سماج میں اختلاف ونزاع کا پیدا ہونا ایک فطری چیز ہے،جس سے بچنا ممکن نہیں، یہ اختلاف دینی امور میں بھی ہوسکتا ہے اور دنیوی معاملات میں بھی ،اور یہ ہر دور میں ہوتا آیا ہے اور قیامت تک ہوتا رہے گا،اور یہ اس لئے ہوتا ہے کہ فطری طور پر ہر انسان دوسرے انسان سے مختلف ہوتا ہے،مزاج ومذاق میں،فکر وتخیل میں، اطوار وعادات میں،شعور واحساس میں؛ یہی وجہ ہے کہ ایک باخبر انسان دوسرے انسان کے بنائے ہوئے ذہنی سانچے میں ڈھلنے کے لیے جلد تیار نہیں ہوتا ،وہ اپنی نگاہ سے دیکھتا ہے،اپنے دماغ سے سوچتا ہے، اپنے دل سے سمجھتا ہے، پھر حال واستقبال، انجام وعواقب کو پیش نظر رکھ کر نظریہ قائم کرتا ہے: اسی لیے اختلاف کو زندہ قوموں کی علامت بتلایا جاتا ہے۔

اجتہادی مسائل میں ہمارا طریقہ یہ ہونا چاہیے کہ اپنے مسلک کو چھوڑا نہ جائے اور دوسرے کے مسلک کو چھیڑا نہ جائے ،نہ چھیڑنے کا مفہوم یہ ہے کہ اسے لڑائی جھگڑے اور دلوں میں دوری کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے ، کشادہ دلی کے ساتھ اختلاف اور تنقید کو برداشت کرنا

چاہیے، کسی کو اپنے خیال اور رائے کا پابند نہیں بنانا چاہیے؛ کیوں کہ یہ ایک بے جا اور غیر فطری خواہش ہے کہ تمام لوگ کسی ایک رائے پر جمع ہو جائیں؛ مگر اختلاف کے ساتھ وسعت ظرفی، تحمل و برداشت اور احترام انسانیت اور توازن و اعتدال کو برقرار رکھنا بھی نہایت ضروری ہے؛ ورنہ اصل مقاصد سے توجہ ہٹ جاتی ہے، اجتماعیت منتشر ہو ہو جاتی ہے، وحدت پارہ پارہ ہو جاتی ہے، دشمنوں کے دلوں سے رعب کم ہوتا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: **وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ** ۔ (الانفال:۴۶)

آج کل سوشل میڈیا کا دور ہے، اس کی برق رفتاری کی وجہ سے معمولی مسئلہ پر فوراً دو فریق ہو جاتے ہیں، پھر دونوں کے موید ین ومخالفین کے درمیان بحث ومباحثہ، لفظی تکرار اور بسا اوقات سب وشتم تک کی نوبت آ جاتی ہے، واٹس ایپ، انسٹا گرام، ٹویٹر، ٹیلی گرام اور فیس بک کے دلدادہ بے شمار حضرات ایسے ہیں جو نہ مسئلہ سے متعلق احکام کا علم رکھتے ہیں، نہ ان کے پاس اپنی رائے سے متعلق معقول دلائل ہوتے ہیں اور نہ ہی انہیں نتائج کا ادراک ہوتا ہے، یا کبھی ایسے دلائل کی روشنی میں گفتگو کرتے ہیں، جن سے ان کا اپنا ضمیر بھی مکمل طور پر مطمئن نہیں ہوتا، محض سنی سنائی باتوں پر تکفیر و تضلیل کا بازار گرم کرتے ہیں اور اسی کو قرین انصاف سمجھتے ہیں۔

اس پس منظر میں ضرورت تھی کہ ایک ایسی تحریر امت کے سامنے ہو جس میں یہ واضح کیا گیا ہو کہ اختلاف کے باوجود ہمارے اسلاف و اکابر نے کس طرح ایک دوسرے کے احترام کو باقی رکھا، مخالف رائے رکھنے والوں کی عزتِ نفس کا کیسا خیال رکھا، واقعات کی روشنی میں یہ بتایا جائے کہ وہ حضرات اپنے مخالف کے بارے میں کیسا نرم گوشہ رکھتے تھے، ان کے آپسی تعلقات کتنے خوش گوار تھے، ملنے جلنے کا طور طریق کیسا تھا، خوشی اور غمی کے موقع سے ایک دوسرے کے ساتھ کیسا برتاؤ تھا؟

بحمد اللہ اس موضوع پر ایک سنجیدہ قلم عزیز گرامی قدر مولانا مفتی عبداللہ صاحب قاسمی

زید علمہ وفضلہ نے اٹھایا، اور انہیں اس موضوع پر لکھنے کا حق بھی ہے؛ کیوں کہ وہ فطری طور پر ایک صلح جو، عافیت پسند اور زندگی کے پرشور ہنگاموں سے دور رہنے والے عالمِ دین ہیں، وہ جہاں دارالعلوم حیدرآباد کے مقبول اساتذہ میں سے ہیں وہیں عوام الناس کے مزاج ومذاق اور ان کے رجحانات ومیلانات سے واقف کار بھی؛ اسی لئے ان کا قلم ہمیشہ امت کی اصلاح کے لئے رواں دواں رہتا ہے، جو ملک کے مؤقر رسائل وجرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں اور قارئین ان کو دلچسپی سے پڑھتے بھی ہیں۔

اس کتاب میں بڑی عرق ریزی کے ساتھ اکابرواسلاف کے واقعات کو باحوالہ جمع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، جن میں انبیائے کرام کے بھی واقعات ہیں، صحابہ، تابعین، محدثین، فقہاء اور صوفیائے کرام کے بھی اخلاق ورواداری سے متعلق عبرت انگیز واقعات ہیں، پھر ان واقعات سے حاصل ہونے والے اسباق کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ مؤلف کی دیگر تحریروں کی طرح اس تحریر کو بھی مقبول بنائے، امت مسلمہ کو بھرپور فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے، ان کا قلم اصلاحی اور فکری تحریروں کے لئے ہمیشہ رواں دواں رہے اور کبھی تعب وتھکن سے آشنا نہ ہو، اور اسے اپنی رضا کا ذریعہ بنائے جو دنیا اور آخرت دونوں میں سرخ روئی کا باعث ہو آمین ثم آمین۔

(مفتی) محمد جمال الدین (صاحب قاسمی دامت برکاتہم)

۱۴/ ربیع الاول ۱۴۴۲ھ بروز اتوار

اختلاف رائے چاند سورج کی طرح ایک اٹل حقیقت ہے، یہ ماضی میں بھی تھا، آج بھی ہے اور قیامت تک برقرار رہے گا، کسی بھی صورت میں اسے ختم نہیں کیا جا سکتا، اختلاف رائے اور افکار ونظریات کا تنوع ایک باضمیر، زندہ، متحرک اور باشعور سماج کی پہچان ہے، جو سماج اور معاشرہ اختلاف رائے سے خالی ہو، اور وہاں چھوٹی سے بڑی چیز تک ہر چیز میں اتفاق اور یک رنگی ہو وہ سماج ایک زندہ لاش کی طرح ہے، جس میں زندگی کے کوئی آثار نہیں۔

بدقسمتی سے آج ہم نے آراء اور افکار کے اختلاف کو باہمی جھگڑے اور آپسی نزاع کا ذریعہ بنالیا ہے، موجودہ زمانے میں ایک دوسرے سے نفرت وعداوت اور بغض ودشمنی کی ایک بڑی وجہ مسلکی جھگڑے بن گئے ہیں، اولی وغیر اولی، افضل وغیر افضل کی بحث وتمحیص جو خالص علمی انداز کی ہیں اور جسے درس وتدریس کے دائرے تک ہی محدود رہنا چاہیے تھا، آج عوامی حلقوں میں یہ موضوع بحث بن گئے ہیں، اور اس کی وجہ سے جماعت بندی اور صف آرائی کی جو مسموم اور زہر آلود فضا پیدا ہوئی ہے وہ کسی حساس اور باشعور شخص سے مخفی نہیں ہے، ہماری صلاحیتوں اور استعداد کا بیشتر حصہ مسلم سماج میں تفریق وانتشار کو فروغ دینے میں صرف ہو رہا ہے، ظاہر ہے کہ یہ صورت حال کافی افسوس ناک اور غم انگیز ہے اور فوری طور پر اصلاح کا طالب ہے۔

افکار ونظریات کا اختلاف آج کی پیداوار نہیں ہے؛ بلکہ یہ شروع سے ہی چلا آرہا ہے، اختلاف رائے صحابہ کے دور میں بھی تھا، تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بھی تھا، اسلاف واکابر کے دور میں بھی تھا؛ لیکن اختلاف کے باوجود ان کا باہمی طرز عمل کیسا تھا؟ مخالفین کے ساتھ

ان کا کیسا سلوک تھا؟ وسعت ظرفی اور باہمی رواداری کا عنصر ان میں کس قدر غالب تھا؟ اسی کی چند جھلکیاں اس مختصر رسالے میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور آخر میں مسلکی ہم آہنگی کے لیے چند تجاویز پیش کی گئی ہیں، ضرورت ہے اس بات کی کہ ہم اسلاف کے روشن اور درخشاں واقعات کا عبرت کی نگاہ سے مطالعہ کریں، اور باہمی اختلافات میں توازن اور اعتدال پیدا کریں، مخالف نظریات کے حامل لوگوں کے ساتھ وسعت ظرفی اور فراخدلی کا ثبوت دیں۔

اس موقع پر اس بات کا تذکرہ بھی ناگزیر ہے کہ ہمارے مخدوم و مربی حضرت مولانا شاہ جمال الرحمٰن صاحب مفتاحی دامت برکاتہم سے نسبت و تعلق اور حضرت والا کی دعاؤں اور توجہات کا فیض ہے کہ یہ مختصر کتابچہ ترتیب پایا، حضرت اقدس ہی نے اس موضوع پر کام کرنے کی طرف توجہ دلائی، اور اس کتابچہ کو دیکھ کر بڑی خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا، اور بندہ کی حوصلہ افزائی کے لئے ایک بیش قیمت تحریر عنایت فرمائی، اللہ تبارک وتعالی حضرت والا کے سایہ عاطفت کو صحت وعافیت کے ساتھ قائم رکھے، اور حضرت کے علوم ومعارف سے مستفید ہونے کی توفیق نصیب فرمائے۔

اسی طرح میں اپنے والد گرامی قدر کا بڑا ممنون و احسان مند ہوں۔۔۔۔۔جن کے دامان عاطفت میں میرا تعلیمی سفر مکمل ہوا، اور جن کی سرپرستی ہی میں بحمد اللہ میری تدریسی خدمات جاری وساری ہیں، والد محترم نے ہی مجھے قلم پکڑنا سکھایا، اور ان کی حوصلہ افزا تھپکیوں نے ہی تحریری میدان میں مجھے سرگرم عمل رکھا۔۔۔۔۔۔کہ انہوں نے اس سلسلے میں میری قدم بہ قدم رہنمائی کی اور اس کام کی شروع سے اخیر تک نگرانی فرمائی، اور وقتاً فوقتاً اپنے مفید اور قیمتی مشوروں سے مجھے نوازتے رہے، نیز پورے کتاب چہ پر بالاستیعاب نظر ثانی فرمائی، اور ایک بیش قیمت مقدمہ لکھ کر اس کتابچے کی قدر وقیمت میں اضافہ فرمایا، اللہ ہمارے مشفق والدین کو صحت، عافیت اور تندرستی کے ساتھ ان کا سایہ ہما ہمارے اوپر تادیر برقرار رکھے۔ بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس موقع سے برادر خورد مولوی عبد العلیم قاسمی کا شکریہ نہ ادا کیا جائے، جنھوں نے اس کتابچے کے منصۂ شہود پر آنے میں ہمارا

گراں قدر تعاون کیا، اور بعض واقعات کی بڑی دلچسپی کے ساتھ تخریج کی، اللہ ان کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے، اور اخلاص کے ساتھ دین مبین کی خدمت کرنے کی توفیق نصیب فرمائے، آمین

یہ میری پہلی تالیف ہے جو منصۂ شہود پر آرہی ہے، اس میں غلطیوں اور فروگزاشتوں کا امکان ہے، قارئین سے التماس ہے کہ اس میں کوئی خامی اور کوتاہی نظر آئے تو ہمیں مطلع فرمائیں، ہم آپ کے ممنون ومشکور ہوں گے، اور یہ آپ کا ہمارے ساتھ علمی تعاون ہوگا۔

مفتی محمد عبداللہ قاسمی

استاذ دارالعلوم حیدرآباد

۲۲ / ربیع الاول ۱۴۴۲ھ بروز پیر

# اختلاف رائے اور انبیاء کرام علیہم السلام کا اسوہ

اس وقت امتِ مسلمہ جن کٹھن اور صبر آزما حالات سے گزر رہی ہے وہ کسی حساس دردمند دل رکھنے والے شخص پر مخفی نہیں ہے، ایک طرف داخلی فتنوں اور اندرونی خلفشار نے ملت اسلامیہ کو نقصان پہونچایا ہے تو دوسری طرف دشمنان اسلام کی طرف سے کی جانے والی مسلسل ذہنی، فکری اور ثقافتی یلغار نے اس کو مردۂ نیم جان کر دیا ہے، ایک طرف باطل طاقتیں اسلام پر چوطرفہ حملے کے ذریعہ شمعِ اسلام کو گل کرنے کی کوشش میں ہیں، تو دوسری طرف مسلکی اختلافات اور فروعی ترجیحات کی بنیاد پر امت مسلمہ میں باہمی رسہ کشی اور آپسی رقابت کی وجہ سے حالات دگرگوں ہوتے جارہے ہیں، قرآن اور دین اسلام جو امت مسلمہ کے لئے مضبوط اور محفوظ قلعہ کی حیثیت رکھتا ہے، آج ہم اسی قرآن اور اسلام کے نام پر معدودے چند اختلافی مسائل کو لے کر معاشرہ کی فضا مسموم اور مکدر بنائے ہوئے ہیں، ایک مکتب فکر کے لوگ دوسرے مکتب فکر سے وابستہ لوگوں پر کیچڑ اچھالنے اور ان کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دینے میں مصروف ہیں، فروعی مسائل میں اختلافِ آراء کی وجہ سے ایک دوسرے کی تحقیر اور آپسی بغض وعناد ہماری پہچان بن گئی ہے۔ علامہ اقبال ملت کی اسی زبوں حالی پر افسوس کرتے ہوئے کہتے ہیں:

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبیؐ، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرَمِ پاک بھی، اللہ بھی، قُرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

## اختلاف رائے ناگزیر ہے

اختلافِ رائے فطری اور طبعی چیز ہے، ترقی یافتہ اور زندہ دل قوموں کی پہچان ہے، اس سے باہم مسابقت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، کوتاہیوں اور غلطیوں سے سبق لینے کا موقع فراہم ہوتا ہے، یہ انسان کو خوب سے خوب تر کی جستجو میں رواں دواں رکھتا ہے، عروج وترقی کی شاہ راہ پر انسان کو محوِ سفر رکھتا ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اختلافِ رائے کا خاتمہ ایک خیالی مفروضہ ہے، اور اس کے پیچھے کی جانے والی کوششیں فضول اور بے فائدہ ہیں؛ کیوں کہ نظری مسائل میں اختلاف نہ مضر ہے اور نہ ہی اس کے خاتمہ کی ضرورت ہے، اختلافِ رائے ایک ایسی ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ کبھی انسانوں کا گروہ اس سے خالی نہیں رہا ہے اور نہ رہ سکتا ہے؛ کیوں کہ خدائے ذوالجلال نے انسان کو عقل اور غور وفکر کی بیش بہا دولت سے نوازا ہے، اور عقل ودانش کا کوئی محدود اور معین پیمانہ نہیں ہے؛ بلکہ اس کے درجات مختلف ہیں، اور اس کے دائرہ کار متنوع ہیں؛ اس لئے زندگی کے ہر شعبہ میں اختلافات موجود ہیں اور تا قیامت موجود رہیں گے، افکار ونظریات کا تنوع اور خیالات وتاثرات کی بوقلمونی سیاست میں بھی ہے، تہذیب و ثقافت میں بھی ہے، معیشت وتجارت میں بھی ہے، طب وحکمت میں بھی ہے؛ اس لئے اختلافات کا موجود ہونا کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے؛ بلکہ یہ عقل وفکر کے مسلسل متحرک اور فعال رہنے کی علامت ہے جو ایک زندہ اور روشن ضمیر قوم کی پہچان ہے، کسی بھی جماعت کے اندر ہر کام اور ہر بات پر اتفاق صرف دو صورتوں میں ہو سکتا ہے:

ایک یہ کہ اس میں کوئی ایسا صاحب شعور اور سمجھ دار انسان نہ ہو جو معاملہ پر غور کر کے کوئی رائے قائم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو؛ اس لئے ایسے مجمع میں ایک شخص کوئی بات کہہ دے تو دوسرے اس پر اس لئے اتفاق کر سکتے ہیں کہ کوئی صاحب رائے اور معاملہ فہم انسان نہیں ہے۔

دوسرے اس صورت میں ہر بات پر اتفاق ہو سکتا ہے جب کہ جماعت کے لوگ ضمیر فروش اور خائن ہوں کہ ایک بات کو غلط اور ناحق سمجھتے ہوئے بھی محض دوسروں کی رعایت میں اختلافِ رائے کا اظہار کرنے سے گریز کریں، ورنہ جہاں بھی اربابِ دانش اور دیانتدار لوگ موجود ہوں گے وہاں اختلاف رائے ناگزیر ہے۔

## اصلاح حال کی ایک غلط کوشش

ہمارے بعض نام نہاد مفکرین اور دانشور جن کی زندگی خورد ونوش اور لذتِ چشم و گوش سے عبارت ہے، فارغ البالی، خوش حالی، خوش جمالی، معیارِ زندگی کی بلندی، مغرب کی زالہ باری اور اس کے خوان نعمت کی ریزہ چینی جن کی زندگی کا مقصود اور مطمح نظر ہے، جب امت مسلمہ کے باہمی اختلاف اور نظری مسائل میں تعدد آراء کی وجہ سے آپسی انتشار اور تعصب وتحزب کا ماحول دیکھتے ہیں، اور ان کو اصلاحِ حال کی طرف توجہ ہوتی ہے تو وہ علماء اور مشائخ کو ان ساری خرابیوں کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں، اور فروعی اختلاف کی وجہ سے جو مہلک اور سنگین نتائج وجود پذیر ہو رہے ہیں اس کا الزام مولوی اور ملاؤں کے سر ڈالتے ہیں، اور اس کا علاج یہ تجویز کرتے ہیں کہ سارے اختلافات مٹا کر ایک نیا اور مشترکہ مذہب تشکیل دیا جائے، اور وہی پوری امت مسلمہ کا مذہب ہو؛ تاکہ اختلاف اور اس کی کوکھ سے جنم لینے والے مفاسد کا سدِ باب ہو۔

## مرض کی غلط تشخیص

ظاہر ہے کہ یہ مرض کی صحیح تشخیص نہیں ہے، مذہبی امور میں اتحادِ رائے نہ عقلا درست ہے اور نہ عملا اس کا کوئی امکان ہے، ہاں خالص دنیوی معاملات میں جھگڑا ذاتی حقوق کا ہو تو وہاں اپنے مطالبات کو نظر انداز کر کے اور اپنے حقوق سے دست بردار ہو کر اتحاد و اتفاق قائم کیا جا سکتا ہے؛ اس لئے باہمی جنگ وجدال کا یہ تریاق نہیں ہے کہ سب کو ایک نظریے کا پابند بنا دیا جائے۔

## مرض کی صحیح تشخیص

واقعہ یہ ہے کہ ان ساری خرابیوں کا بنیادی سبب یہ ہے کہ اختلافِ رائے کا اظہار اپنے

جائز حدود سے متجاوز ہو چکا ہے، جس کی وجہ سے باہمی نزاعات اور جھگڑے جنم لے رہے ہیں، فروعی مسائل میں راجح و مرجوح کی بحث و تمحیص اور دلائل کی روشنی میں اولی و غیر اولی کی تعیین جسے تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کی حد تک محدود ہونا چاہیے تھا آج اصلاحی جلسے اور عوامی تقریریں اسی اختلافی موضوع کی نذر ہو رہی ہیں، منبر و محراب جہاں سے امت مسلمہ کو اتحاد و اتفاق اور اخوت و بھائی چارگی کا پیغام ملنا چاہیے تھا آج وہ دوسرے مکتب فکر کے لوگوں پر طعن و تشنیع اور ان کی تحقیر و تکفیر کا پلیٹ فارم بن چکے ہیں، خطباء اور مقررین ...... اللہ ان پر رحم فرمائے...... اصلاحی اور تذکیری موضوع پر گفتگو کرنے کے بجائے مختلف فیہ مسائل کو لے کر دوسرے مکتبِ فکر سے وابستہ لوگوں کے حوالہ سے سادہ لوح عوام کے دل و دماغ میں زہر اتار رہے ہیں، اور عوام الناس کے دلوں میں فریق مخالف کے خلاف نفرت و عداوت اور بغض و عناد کا بیج بو رہے ہیں۔

## اختلاف رائے کی صورت میں قرآنی ہدایت

حقیقت یہ ہے کہ اختلاف رائے کے ساتھ اتحاد عمل کا نظریہ خود قرآن مجید نے پیش کیا ہے، چنانچہ اللہ تبارک و تعالی کا ارشاد ہے:

وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا (لقمان:۱۵)

اور اگر وہ تم پر زور ڈالیں کہ تم میرے ساتھ کسی کو (خدائی میں) شریک قرار دو جس کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں تو ان کی بات مت مانو، اور دنیا میں ان کے ساتھ بھلائی سے رہو۔

آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ لڑکا اگر مسلمان ہے، اور والدین بدستور کافر ہیں، اور لڑکے کو اسلام سے پھیرنے کی کوشش کر رہے ہیں، ایسی صورت میں لڑکے کو والدین کی خاطر اپنا مذہب تبدیل کرنے کی شرعا اجازت نہیں ہے؛ بلکہ والدین کی مخالفت کرنا اور اسلام پر جمے رہنا ضروری

ہے، تاہم والدین کی خدمت اوران کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا لڑکے کی شرعی واخلاقی ذمہ داری ہے، گویا اس آیت کریمہ میں امت مسلمہ کو ایک عمومی پیغام دیا گیا ہے کہ اختلاف رائے کے ساتھ اتحاد عمل ممکن ہے، ہوسکتا ہے کہ بعض چیزوں میں ایک شخص کی رائے دوسروں سے مختلف ہو، ایک آدمی کے نظریات کسی معاملے میں دوسرے کے نظریات سے متصادم ہوں، لیکن بعض امور میں اختلاف کے باوجود بعض دوسرے امور میں اتفاق و یکجہتی ممکن ہے، اور حتی الامکان اس کی کوشش کرنا مطلوب اور مستحسن ہے۔

آج ضرورت ہے اس بات کی کہ اختلافِ رائے اور تعددِ آراء کے ساتھ معاشرہ میں خوشگوار اور دوستانہ فضا قائم کی جائے، اور وسعت ظرفی اور آپسی محبت ورواداری کا ثبوت دے کر اختلاف میں اعتدال اور توازن پیدا کیا جائے، اختلافِ رائے کے وقت ہمارا فریق مخالف کے ساتھ کیا طرز عمل ہونا چاہیے؟ مخالفین کے ساتھ کیسا سلوک اور برتاؤ ہونا چاہیے؟ اس کے لئے ہمیں انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرت اوران کی عملی زندگی کو مشعل راہ بنانے کی ضرورت ہے۔

## حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنے والد سے اختلاف اوران کا ادب

حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد صرف بت پرست ہی نہیں تھے؛ بلکہ بت فروش بھی تھے، بت بنا کر فروخت کرتے تھے؛ لیکن پھر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے والد کے کفر کو مانعِ ادب نہیں سمجھا، چنانچہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ جب اپنے والد کو نصیحت کرتے ہیں تو یاابت یاابت (اے میرے ابا جان، اے میرے ابا جان) کہہ کر محبت بھرا خطاب فرماتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ نظریات اور عقائد کے سخت اختلاف کے باوجود ادب کی ایک بہترین مثال ہے، اور ادب میں صرف باپ کی ہی تخصیص نہیں ہے؛ بلکہ بڑی عمر کا کوئی بھی آدمی ہو سب کا ادب واحترام کرنا چاہیے۔

## مسجد اقصی میں انبیاء کرام علیہم السلام کا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتداء میں نماز ادا کرنا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر سے مسجد اقصی تشریف لے جاتے

ہیں، اور وہاں آپ علیہ السلام کو انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت کا شرف حاصل ہوتا ہے، تمام انبیاء کرام علیہم السلام بلا کسی توقف و تامل کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کرتے ہیں۔(صحیح مسلم، حدیث نمبر:۱۷۲) فروعی؛ بلکہ کئی اصولی مسائل میں غیر معمولی اختلاف کے باوجود انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کرنے میں ذرہ برابر تردد نہیں ہوا۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ امت مسلمہ کے مابین چند فروعی مسائل اور نظریاتی اختلافات کی بنیاد پر آپسی کشمکش، باہمی بغض وعناد اور ہر فریق کی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانا انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیمات کے خلاف ہے، اور روح اسلام کے بالکل مغائر ہے۔

## شب معراج کے موقع پر انبیاء کرام علیہم السلام کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت سے پیش آنا

معراج کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد اقصی سے سدرۃ المنتہی تک تشریف لے جاتے ہیں، تمام آسمانوں پر مختلف انبیاء کرام علیہم السلام سے ملاقات ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سلام کرتے ہیں، انبیاء کرام علیہم السلام آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے سلام کا جواب دیتے ہیں، اور آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی آمد پر خوشی ومسرت کا اظہار فرماتے ہیں۔(بخاری، حدیث نمبر:۳۴۹) جب کہ آفتابِ اسلام طلوع ہونے سے پہلے دیگر انبیاء کے لائے ہوئے تمام مذاہب میں بنیادی عقائد (توحید ورسالت وعقیدہ آخرت) اگرچہ مشترک تھے، لیکن ہر مذہب کے احکام وجزئیات جداگانہ اور باہم متفاوت تھے؛ لیکن یہ چیز باہمی ادب واحترام اور آپسی محبت ورواداری میں مانع نہیں ہوئی۔

# اختلاف رائے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اسوہ

آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی کیمیا اثر صحبت نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کندن بنا دیا تھا، آفتابِ نبوت کی کرنوں سے منور ہو کر ان میں سے ہر ایک فرد اپنے اپنے عہد کا گل سرسبد اور مینارۂ نور تھا، اور نوع انسانی کے لئے باعث شرف وافتخار تھا، زبان نبوت نے انہیں رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا مژدہ جانفزا سنایا تھا، امت مسلمہ کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ہر ایک امت مسلمہ کا مقتدی اور پیشوا ہے، ان کی پیروی دنیوی واخروی سعادتوں کی ضامن ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مابین بھی سینکڑوں مسائل میں اختلاف تھا؛ لیکن اس سے ان کے آپسی تعلقات اور باہمی ادب واحترام میں کوئی فرق نہیں آیا، تمام صحابہ کرام آپس میں مل جل کر شیر وشکر کی طرح رہتے تھے، ایک دوسرے کے خیر خواہ، بھلائی اور نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کے تعاون کرنے والے تھے، ذیل میں صحابہ کرام کے چند واقعات ذکر کیے جاتے ہیں:

## شیخین رضی اللہ عنہما کے مابین اختلاف رائے اور احترام شخصیت

نبوت کے محرمِ اسرار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور مزاج شناس نبوت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مابین بہت سے مسائل میں اختلاف تھا، من جملہ ان مختلف فیہ مسائل کے ایک مفتوحہ زمین اور جائیداد کی تقسیم کے حوالہ سے بھی دونوں حضرات کا نقطہ نظر الگ الگ تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مفتوحہ زمین اور جائیداد کو مجاہدین اور اہل بیت میں تقسیم کرنے کے قائل تھے، جب کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس نوع کی زمین اور جائیداد کو وقف قرار دیتے تھے، اسی طرح جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فتنہ ارتداد نے سر ابھارا، اور بہت سے جھوٹے

مدعیان نبوت کا ظہور ہوا اور ان کے دامِ تزویر میں بہت سے سادہ لوح مسلمان بھی آ گئے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے مسلمانوں کا ایک دستہ روانہ کیا، فرزندان توحید اور باطل پرستوں کے مابین ایک خونریز معرکہ ہوا، جس میں مسلمانوں کو فتح و کامرانی نصیب ہوئی، اور مرتدین کلمہ فرار پڑھنے پر مجبور ہوئے، اس جنگ میں بہت سی مرتد عورتیں گرفتار ہوئیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ان عورتوں کو باندی بنالیا جائے، اس کے بالمقابل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا رجحان اس بات کی طرف تھا کہ ان کو آزاد چھوڑ دیا جائے اور باندی نہ بنایا جائے، یہ ایک دو نہیں؛ بلکہ علماء کرام رحمۃ اللہ علیہم کی تصریح کے مطابق حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے مابین بہت سارے مسائل میں اختلاف تھا، اتنے کثیر مسائل میں اختلاف کے باوجود ان دونوں حضرات کے تعلقات میں کسی قسم کی تلخی اور شکر رنجی نہیں آئی؛ بلکہ دونوں حضرات ایک دوسرے کے خیر خواہ اور آپس میں ہمدردی و محبت رکھنے والے تھے، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین نامزد کیا تو بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اشکال ہوا، اور انہوں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: آپ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سخت مزاجی سے واقف ہیں، اس کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ ان کو ہمارا خلیفہ مقرر کر رہے ہیں، اگر اللہ جل شانہ نے آپ رضی اللہ عنہ سے اس سلسلہ میں باز پرس فرمائی تو آپ رضی اللہ عنہ کیا جواب دیں گے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہایت اطمینان اور پرسکون لہجے میں جواب دیا: میں عرض کروں گا: خدایا! میں نے مسلمانوں کا امیر ایسے شخص کو مقرر کیا ہے جو زمین والوں میں سب سے بہتر ہے۔ (الکامل فی التاریخ لابن الاثیر: ۲ / ۲۶۷)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا جذبہ بھی کچھ اسی طرح دوستانہ اور عقیدت مندانہ تھا، چنانچہ ایک شخص نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی امانت و دیانت اور فضل و تقوی سے متاثر ہو کر کہا: انت خیر من ابی بکر آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بہتر ہیں۔ اتنا سننا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ زار و قطار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے، کچھ قرار آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بات کرتے ہو، بخدا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک رات عمر اور اس کے آل سے بہتر ہے۔

(کنز العمال، حدیث نمبر: ۳۵۶۱۴)

## حضرت عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے مابین اختلاف اور باہمی توقیر واحترام

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مابین بھی سو سے زائد مسائل میں اختلاف تھا، لیکن یہ دونوں باہم محبت اور احترام سے پیش آتے تھے، اور ایک دوسرے کے مقام اور مرتبہ سے واقف اور ایک دوسرے کے قدرداں تھے۔

چنانچہ تاریخ نویسوں نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں تشریف لے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خوشی اور مسرت کا اظہار کیا، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی فراخدلی کے ساتھ تعریف کرتے ہوئے فرمایا: کنیف ملئ علما یہ تو علم سے لبریز ہیں۔

(اعلام الموقعین: ۱/ ۱۴)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کی تعلیم وتربیت کے واسطے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو معلم بنا کر بھیجا، اور ساتھ ہی کوفہ والوں کے نام ایک خط روانہ کیا، اور اس خط میں انہوں نے یہ تحریر فرمایا کہ میں تمہارے پاس حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو معلم بنا کر بھیج رہا ہوں، اور اپنے اوپر میں تم لوگوں کو ترجیح دے رہا ہوں، ورنہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مجھے زیادہ ضرورت ہے، تم ان کی قدر کرنا اور ان کا خیال رکھنا۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ، حدیث نمبر: ۳۲۴۴۵)

تاریخ نگاروں نے یہ واقعہ بھی اپنی کتابوں میں محفوظ کیا ہے کہ ایک مرتبہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کی ازار ٹخنے کے نیچے ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے اس کی فہمائش کی، اور ٹخنوں سے اوپر ازار باندھنے کی تاکید کی، اس نے پلٹ کر کہا کہ آپ کی ازار بھی تو ٹخنوں کے نیچے ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے معذرت کی کہ میری پنڈلی چوں کہ بہت پتلی اور باریک ہے، اور میں لوگوں کا امام اور ان کا مقتدا ہوں، میری باریک اور پتلی پنڈلی دیکھ کر لوگ اچھا

اثر نہیں لیں گے، اس مجبوری کی وجہ سے میں ٹخنے سے نیچے ازار باندھتا ہوں، جب اس واقعہ کا علم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ہوا تو انھوں نے اس شخص کو بلایا جس نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا تھا، اور درہ سے اسے سزا دی کہ آخر تم کون ہوتے ہو اس پاکباز شخصیت پر اعتراض کرنے والے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقرب اور محبوب صحابی ہیں۔

(سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۳۰۰)

## حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مجتہد فیہ مسائل میں طرز عمل

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس ایک صاحب مسئلہ دریافت کرنے کے لیے آئے، انھوں نے کہا کہ جاؤ علی اور زید سے پوچھ لو، وہ معلوم کر کے آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دی، انھوں نے کہا کہ اگر میں ہوتا تو اس کے برخلاف فیصلہ کرتا، سائل نے کہا کہ آپ بااختیار ہیں، آپ رضی اللہ عنہ کو ایسا کرنے سے کس نے روکا ہے، انھوں نے کہا کہ اگر کتاب وسنت میں صراحتاً اس کا حکم مذکور ہوتا تو میں ضرور اسی کے مطابق فیصلہ کرتا، لیکن یہ صرف میری ایک رائے ہے اور رائے کے سلسلے میں ہم اور وہ دونوں برابر ہیں؛ اس لیے کسی کو دوسرے کی رائے کا پابند نہیں بنایا جاسکتا ہے۔ (دیکھیے اعلام الموقعین: ۱/ ۵۴)

## ابن عباس اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کے مابین اختلاف رائے اور باہمی احترام

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مابین بہت سارے مسائل میں اختلاف تھا، من جملہ ان اختلافی مسائل کے ایک اختلافی مسئلہ یہ تھا کہ دادا کی موجودگی میں میت کے بھائیوں کو میراث ملے گی یا نہیں؟ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کی رائے تھی کہ دادا کی موجودگی میں بھائیوں کو میراث نہیں ملے گی، جبکہ حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ کا خیال یہ تھا کہ دادا کی موجودگی میں بھائیوں کو بھی میراث ملے گی، اور یہ اختلاف ان دونوں حضرات کے مابین اس قدر شدت اختیار کر گیا تھا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کہا کرتے تھے:

لو ددت اني وهؤلاء الذين يخالفونني في الفريضة نجتمع فنضع ايدينا على الركن ثم نبتهل فنجعل لعنة الله على الكاذبين (مصنف عبدالرزاق، حدیث نمبر: ١٩٠٢٤)

میرے خواہش یہ ہے کہ میں اور یہ لوگ جو میراث کے مسئلہ میں مجھ سے اختلاف کرتے ہیں اکٹھے ہوں اور اپنے ہاتھ رکن یمانی پر رکھیں پھر مباہلہ کریں اور ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کی لعنت جھوٹوں پر بھیجیں۔

لیکن اس کے باوجود یہ دونوں حضرات ایک دوسرے کے ساتھ ادب واحترام سے پیش آتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور خچر پر سوار ہو گئے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے احتراما ان کے رکاب کو تھام لیا، اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے منع کرنے پر فرمایا کہ علماء کا احترام کرنے کا حکم دیا گیا ہے، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا، اور فرمایا کہ اہل بیت کے ساتھ عظمت ومحبت سے پیش آنے کا حکم ہے۔ (کنز العمال، حدیث نمبر: ۳۷۰۶۱)

اسی طرح جب حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

هكذا ذهاب العلم، لقد دفن اليوم علم كثير۔
(السنن الکبری للبیہقی، حدیث نمبر: ۱۲۱۹۷)

دنیا سے علم اسی طرح رخصت ہوتا ہے، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی وفات کی وجہ سے ہم علم کے ایک بڑے حصہ سے محروم ہو گئے۔

## قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے کے متعلق صحابہ کا اختلاف

قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے کے بارے میں اکابر صحابہ کے مابین اختلاف ہو گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رائے یہ تھی کہ پہلے خلافت اسلامیہ

کو مضبوط اور مستحکم کیا جائے، اور بلوائیوں نے جو انتشار اور فتنہ وفساد پھیلا رکھا ہے اس کو فرو کیا جائے، جب حالات قابو میں آ جائیں تو قاتلین عثمان سے قصاص لیا جائے، جب کہ حضرت عائشہ، حضرت معاویہ اور حضرت عمران بن طلحہ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا موقف یہ تھا کہ قاتلین عثمان سے بلا تاخیر قصاص لیا جائے، یہ اختلاف اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ تلواریں بے نیام ہو گئیں اور فریقین کے مابین خون آشام لڑائیاں بھی ہوئیں، آپسی جنگ اور کشت وخون کے باوجود دونوں فریقوں نے ایک دوسرے کی تحقیر وتکفیر نہیں کی، اور نہ ہی اپنے پاکیزہ دلوں میں نفرت وعداوت کو کوئی راہ دیا۔

## حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنے مخالفین کے بارے میں تاثر

چنانچہ جنگ جمل کے بعد حضرت عمران بن طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لاتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کا پر جوش استقبال کرتے ہیں، اور ان کو اپنے قریب بٹھاتے ہیں، اور فرماتے ہیں: مجھے امید ہے کہ میں اور تمہارے والد اس آیت کریمہ کے مصداق ہیں:

وَ نَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَى سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ

(الحجر: ۴۷)

ان کے سینوں میں جو کچھ رنجش ہوگی، اسے ہم نکال پھینکیں گے، وہ بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے اونچی نشستوں پر بیٹھے ہوں گے۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمران بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے ان کے اہل خانہ کے ایک ایک فرد کے احوال دریافت کرنے لگے، مجلس میں بیٹھے دو آدمی......جن کو صحابہ کے مقام ومرتبہ کا علم نہ تھا، اور ان کے بلند اخلاق وکردار سے وہ ناواقف تھے......نے ازراہ تعجب کہا: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں قتل کیا اور وہ کل جنت میں ہمارے بھائی ہوں گے، ہرگز نہیں! اللہ انصاف کرے گا، یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ غصہ ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں: اگر میں اور طلحہ جنت میں نہیں جائیں گے تو کون جائے گا؟ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۲۲۴)

اسی طرح ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ جنگ جمل میں ہم سے قتال کرنے والے لوگ مشرک ہیں یا منافق؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ لوگ شرک وبت پرستی کو چھوڑ کر دامن اسلام سے وابستہ ہوئے ہیں تو پھر یہ مشرک کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور منافقین تو اللہ کی یاد میں بہت ہی کم مشغول رہتے ہیں، جب کہ یہ لوگ کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے ہیں، سائل نے پوچھا کہ پھر یہ کون لوگ ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہمارے بھائی ہیں جنہوں نے ہم پر ظلم کیا ہے۔ (بیہقی، حدیث نمبر: ۱۶۷۱۳)

جنگ جمل تاریخ اسلام کا ایک افسوس ناک واقعہ ہے، جس میں دونوں فریق مسلمان ہی تھے، اس لڑائی میں تقریباً بیس ہزار مسلمان مارے گئے، جب دونوں طرف سے گھمسان کی لڑائی شروع ہونے والی تھی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ صف سے آگے بڑھے، اور مد مقابل جماعت سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو آواز دی، وہ بھی اپنی صف سے آگے بڑھے، دونوں نے معانقہ کیا، اور دونوں روئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہیں کس چیز نے مقابلہ پر مجبور کیا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت عثمان کے خون کے بدلہ نے، پھر دونوں حضرات کے مابین تھوڑی دیر تک گفتگو ہوتی رہی، یہ دو ایسے مخالفوں کا باہمی برتاؤ ہے جو ایک دوسرے کے مقابلے میں تلوار لے کر مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھے۔ (الامامۃ والسیاسۃ، ص: ۱ / ۶۴)

جنگ جمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت کو فتح حاصل ہوئی، اور دوسری جماعت کے بہت سے افراد گرفتار کیے گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت کے بعض لوگوں نے رائے دی کہ انہیں تہہ تیغ کر دیا جائے، اور اس پر اصرار بھی کیا؛ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس رائے کو قبول نہیں فرمایا، اور ان سے دوبارہ بیعت لیتے رہے، البتہ مفتوح لوگوں سے جو اموال حاصل ہوئے تھے ان کو مال غنیمت قرار دیا، اور اپنی جماعت میں تقسیم کر دیا، بعض لوگوں نے پھر اصرار کیا کہ جب ان سے حاصل شدہ اموال غنیمت ہیں تو پھر اس جماعت کے گرفتار لوگوں کو بھی غلام اور باندی بنا لیا جائے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے انکار کر دیا، جب انہوں نے اس پر

دوبارہ اصرار کیا تو فرمایا: اچھا! بتاؤ کہ اپنی ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو باندی بنا کر اپنے حصہ میں لینے کے لئے کون تیار ہے؟ انہوں نے کہا: استغفر اللہ ایسا نہیں ہوسکتا۔

(مصنف ابن ابی شیبۃ، حدیث نمبر: ۳۷۷۸۰)

جنگ جمل ختم ہونے کے بعد جب ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ زخمی ہوکر گر پڑا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جلدی سے دیکھو، کہیں ام المومنین کو کوئی تکلیف تو نہیں پہونچی (تاریخ الامم والملوک) چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی محمد بن ابوبکر جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت وتائید میں تھے، جلدی سے بڑھے، اور دریافت کیا کہ کوئی تکلیف تو نہیں پہونچی، اس کے بعد خود حضرت علی رضی اللہ عنہ ام المومنین کے پاس تشریف لے گئے، اور فرمایا: امی جان! کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی، اللہ جل شانہ آپ کی غلطی معاف فرمائے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ تمہاری بھی مغفرت فرمائے۔ (تاریخ طبری: ۴/ ۵۳۴)

## حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے ہمدردانہ جذبہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں شدید اختلاف ہوا، اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ دونوں فریقوں کے مابین خون آشام لڑائیاں بھی ہوئیں، اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قیصر روم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا، جس میں اس نے لکھا کہ تمہارے ساتھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تمہیں بہت ستایا ہے، میں تمہارے لئے یہاں سے فوج روانہ کررہا ہوں؛ تاکہ تم ان کو لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر چڑھائی کرو، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں جو خط تحریر فرمایا ہے اس کے ایک ایک جملہ میں ہمارے لئے نصیحت وموعظت کا سامان ہے، اس کے سطر سطر سے صدق ویقین اور اخلاص وللّٰہیت چھلکتا ہے، ذیل میں خط کا اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

اے نصرانی کتے! میرے اور علی رضی اللہ عنہ کے درمیان جو اختلاف ہے تو
اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے، یاد رکھ کہ اگر تو نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی

طرف ترچھی نگاہ سے دیکھا تو سب سے پہلے علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کا سپاہی
بن کر تیری آنکھیں پھوڑنے والا معاویہ ہوگا۔

(البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۵۹)

اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا، ایک شخص ابن خیبری نے اپنی بیوی سے کسی کو زنا کرتے دیکھ لیا، غصہ پر قابو نہ پا سکا، اور اس شخص کو قتل کر دیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں مقدمہ پہونچا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا فیصلہ صادر کیا جائے، بہ ظاہر تو ایسا لگتا تھا کہ قاتل پر قصاص واجب کر دیا جائے؛ لیکن جن حالات نے اس کو قتل پر مجبور کیا تھا ان کو بھی بالکل نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا؛ اس لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کو خط لکھا، اور ان سے کہا کہ تم اس مسئلہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تحقیق کرو، اور مجھے اس کی اطلاع دو۔ (موطا امام مالک، حدیث نمبر: ۱۴۳۱)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی منقول ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مجھ سے افضل اور بہتر ہیں، اور میرا ان سے اختلاف صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے مسئلہ میں ہے، اگر وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لے لیں تو اہل شام میں ان کے ہاتھ پر سب سے پہلے بیعت کرنے والا میں ہوں گا۔

(البدایہ والنہایہ: ۷/ ۲۵۹)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر پہونچی کہ کسی بدبخت اور شقی شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا تو رونے لگے، ان کی بیوی نے کہا: اب تم روتے ہو؟ حالاں کہ تم نے ان سے جنگ کی ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: افسوس تو کیسی باتیں کرتی ہے؟ تجھے معلوم نہیں! آج علم وفضل اور فقہ لوگوں کے ہاتھوں سے جاتا رہا۔ (البدایۃ والنہایۃ: ۸/ ۱۳۰)

## حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برائی کرنے والے کو ڈانٹنا

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جو اس سیاسی قضیہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اختلاف رکھتے

تھے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موقف کو صحیح اور حق بجانب سمجھتے تھے، کسی نے ان کے سامنے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو برا بھلا کہا، تو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے رہا نہ گیا، اور انہوں نے غضبناک لہجے میں کہا:

> اسکت مقبوحا منبوحا، أتوذی محبوبة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فأشهد أنها زوجة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی الجنة، لقد سارت أمنا عائشة مسيرها وإنا لنعلم أنها زوجة النبی فی الدنيا والآخرة ولكن اللہ ابتلانا بها ليعلم اياه نطيع او اياها۔ (کنز العمال، حدیث نمبر: ۳۷۷۸۱)
>
> اے ذلیل کمینے تو چپ رہ! کیا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ مطہرہ کو برا بھلا کہتا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی ہیں، ہماری ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (ہمارے برعکس) اپنا الگ موقف اختیار کیا ہے، اس کے باوجود ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ ہیں، اور اللہ تعالی ہمیں آزمانا چاہتے ہیں کہ ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پیروی کرتے ہیں یا اللہ تعالی کی۔

## حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے برتاؤ

جنگ جمل کس قدر سخت لڑائی تھی، جس میں بہت سی جانیں ضائع ہوئیں، یہ جنگ دراصل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان تھی، لیکن جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ پر زہر کے اثر کا غلبہ ہوا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا، اور فرمایا کہ تم ام المومنین سے کہنا کہ میری خواہش ہے کہ میں اپنے نانا جان کے جوار میں دفن ہوں، کیا آپ اس کی اجازت دیتی ہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا باوجود سخت لڑائی اور مخالفت کے انہیں

اس کی اجازت دے دیتی ہیں، ادھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ہوسکتا ہے کہ ام المومنین نے میری زندگی میں میرے پاس ولحاظ کی وجہ سے اجازت دے دی ہو، میرے انتقال کے بعد دوبارہ ان سے اجازت مانگنا، اگر وہ بخوشی منظور کرلیں تو مجھے وہاں دفن کردینا؛ ورنہ مسلمانوں کے عام قبرستان میں مجھے دفن کرنا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی کے انتقال کے بعد دوبارہ اجازت مانگی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہاں بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ اجازت ہے۔( تاریخ الخمیس فی احوال انفس النفیس : ۲ / ۲۹۳ )

## حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا حسن رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے امیر مدینہ کو آگے بڑھانا

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد امراء بنی امیہ نے ان کے جوار نبوی میں دفن کئے جانے کی مخالفت کی، اور کہا کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مخالفین نے وہاں دفن نہیں ہونے دیا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی وہاں دفن نہیں ہوسکتے؛ لیکن اس کے باوجود حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھانے کے لئے اموی خلیفہ کی طرف سے مقرر کردہ امیر مدینہ سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھایا، اور فرمایا کہ یہی سنت ہے۔( تاریخ الخمیس فی احوال انفس النفیس : ۲ / ۲۹۳ )

# ائمہ مجتہدین کے مابین اختلاف رائے اور باہمی ادب واحترام کے چند نقوش

حجازی مکتب فکراور عراقی مکتب فکر کے مابین شدید اختلاف پایا جاتا ہے،دونوں مکتب فکر کے اجتہاد،غوروفکراور استنباط مسائل کے طریقۂ کار میں خاصا فرق ہے؛جس کی وجہ سے سینکڑوں جزوی اورفروعی مسائل میں دونوں مکتب فکر کے درمیان بہت سارے اختلافات ہوئے، تاہم یہ چیز آپسی رواداری اور باہمی توقیرواحترام میں مانع نہیں ہوئی،ذیل میں ائمہ مجتہدین کی سیرت کے چند تابندہ نقوش ثبت کیے جاتے ہیں،جن سے معلوم ہوگا کہ ائمہ مجتہدین باہمی اختلاف کے باوجود اپنے مخالفین کے لئے کتنے سیرچشم اور فراخدل تھے،ان کے قلوب حسد اورنفرت وکدورت سے کتنے پاک تھے۔

## ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں نیازمندانہ حاضری

ابن ابوشبرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت جعفر بن محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے، میں نے حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کوسلام کیا،اوران سے کہا: اللہ آپ کوخوش وخرم رکھے، یہ عراقی مکتب فکر کے عالم دین ابوحنیفہ ہیں ،ان کوفقہ میں خاص مہارت حاصل ہے،حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: لگتا ہے کہ یہ وہی شخص ہے جودین کی باتوں میں عقل کوفیصل اور حاکم بناتا ہے،کیا یہ نعمان بن ثابت ہیں؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ہاں! اللہ آپ کی اصلاح حال فرمائے! حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ابوحنیفہ! اللہ سے ڈرو،اوردین کی باتوں میں قیاس مت کرو، کیوں کہ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا تھا، جب اللہ نے اس کوسجدہ کرنے کا حکم دیا تھا،

چنانچہ وہ کہنے لگا: میں اس آدم سے بہتر ہوں؛ کیوں کہ آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے، پھر حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: مجھے ایسا کلمہ بتاؤ جس کا پہلا جز شرک اور آخری جز ایمان ہے؟ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میں نہیں جانتا، حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: وہ کلمہ لا الہ الا اللہ ہے؛ کیوں کہ اگر کوئی شخص صرف لا الہ کہہ کر رک جائے تو وہ کافر ہو جائے گا، پھر حضرت جعفر نے پوچھا: اللہ کی نظر میں ناحق کسی کو قتل کرنا بڑا گناہ ہے یا زنا کرنا؟ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ناحق کسی کو قتل کرنا زنا سے بڑا گناہ ہے، اس پر حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: پھر ثبوت قتل کے لئے صرف دو گواہ اور ثبوت زنا کے لئے چار گواہ کا ہونا کیوں ضروری ہے؟ پھر حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اللہ کے نزدیک نماز اور روزہ میں سب سے زیادہ کون سی عبادت اہم ہے؟ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: نماز روزے سے زیادہ اہم اور عظیم الشان عبادت ہے، اس پر حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: پھر کیوں حائضہ عورت صرف روزے کی قضا کرتی ہے اور نماز کی قضا نہیں کرتی؟ پھر حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: اللہ کے بندے! اللہ سے ڈرو، اور دین کی باتوں میں عقل مت لڑاؤ، کیوں کہ کل تم کو اور ہم کو اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ (اعلام الموقعین: ۱ / ۱۹۴)

ظاہر ہے کہ یہ سوالات ایسے نہیں تھے کہ جن کا جواب دینے سے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے بلند پایہ فقیہ قاصر تھے؛ لیکن چوں کہ حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق اہل بیت سے تھا، ان کے ادب واحترام میں ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خاموشی کو ترجیح دی، اور ان کے ساتھ بحث ومباحثہ سے گریز کیا۔

## حضرت شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر اظہار افسوس

امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ حجازی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے، اور فن حدیث میں ان کو بڑا درک حاصل تھا، وہ عراقی مکتب فکر کے سرخیل امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے مداح تھے، اور ان سے حد درجہ عقیدت ومحبت رکھتے تھے، جب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے وفات کی خبر امام شعبہ

رحمۃ اللہ علیہ کو پہونچی تو افسوس کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: شہر کوفہ کا فقہ بھی ان کے ساتھ رخصت ہو گیا، اللہ ہمارے اور ان کے ساتھ خصوصی رحمت کا معاملہ فرمائے۔

(الانتقاء فی فضائل الائمۃ الثلاثۃ الفقہاء: ۱۲۶)

## امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دوسرے مکاتب فکر کے حوالہ سے وسعت ظرفی

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جلیل القدر اور بلند پایہ محدث تھے، حضرت جعفر صادق، نافع، ابن شہاب زہری اور ہشام بن عروہ جیسے جلیل القدر فقہاء و محدثین رحمۃ اللہ علیہم کے سامنے انہوں نے زانوئے تلمذ تہہ کیا تھا، اور ان کے علمی و روحانی تربیت سے اپنے دل و دماغ کو منور کیا تھا، شریعت کے اسرار و رموز اور فقہ و فتاوی پر کامل دسترس رکھنے والے تابعین رحمۃ اللہ علیہم کی فیض صحبت نے ان کی علمی صلاحیتوں کو جلا بخشا تھا، اور ان کے مزاج و مذاق کو قرآن و سنت کے رنگ میں ڈھال دیا تھا، انہوں نے احادیث رسول کے ایک بڑے ذخیرے کو اپنے سینے میں محفوظ کر لیا تھا اور اجلہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فقہ و فتاوی کو انہوں نے اپنے لوح حافظہ پر نقش کر لیا تھا، چنانچہ انہوں نے ایک شہرہ آفاق کتاب موطا امام مالک تالیف کی، اور صحیح احادیث اور اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فقہ و فتاوی کو بڑی جانفشانی اور عرق ریزی سے فقہی ابواب کی ترتیب پر جمع کیا، یہ ایک غیر معمولی اور مہتم بالشان کتاب تھی، اور اپنے نوع کا منفرد کارنامہ تھا، اس کتاب کی تیاری میں چالیس سال کا طویل عرصہ لگا، اس کتاب کو اللہ نے غیر معمولی مقبولیت اور شہرت عطا کی، سرزمین حجاز کے ستر علماء نے اس کاوش کو خوب سراہا، خلیفہ منصور نے امام مالک سے کہا: میں اس کتاب کے متعدد نسخے چھپوا کر پورے عالم اسلام میں بھیجنا چاہتا ہوں؛ تاکہ پوری امت مسلمہ ایک ہی طریقے پر جمع ہو جائے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے خلیفہ منصور کو سختی سے اس عمل سے منع کیا، اور فرمایا کہ ہر علاقے میں احادیث رسول علیہ الصلوۃ والسلام پہونچ چکی ہیں، اور لوگ مختلف روایتوں پر عمل کر رہے ہیں؛ لہذا پوری امت مسلمہ کے لئے ایک ہی طریقے کو لازم کر دینا چنداں مناسب نہیں ہے۔ (حجۃ اللہ البالغۃ: ۱/ ۲۵۰)

## شوافع واحناف کے مابین اختلاف اور باہمی ادب واحترام

فقہ کا ادنی طالب علم بھی اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ جلیل القدر امام: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا عراقی مکتب فکر سے جس قدر اختلاف ہے اتنا اختلاف باہم کسی بھی دو اماموں میں نہیں ہے، سینکڑوں مسائل ایسے ہیں جن میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ایک رائے رکھتے ہیں، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ دوسرا موقف رکھتے ہیں، اس کے باوجود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے جو عقیدت ومحبت تھی، اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جو عظمت اور احترام امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں تھا اس کی مثال آج کے دور میں بہ مشکل ہی ملے گی۔

چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ فجر کی نماز ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقبرہ کے قریب ادا کی، اور فجر کی نماز میں قنوت (جو شوافع کے یہاں سنت مؤکدہ ہے) نہیں پڑھا، لوگوں نے پوچھا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے قنوت کیوں نہیں پڑھا؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: **اخالفه وانا فی حضرته؟** کیا میں امام ابوحنیفہ کے سامنے ان کی مخالفت کروں گا۔ (حجۃ اللہ البالغۃ: ۱/ ۷۰)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان فروعی مسائل میں دیگر ائمہ کے مقابلہ میں بکثرت اختلاف پایا جاتا ہے؛ لیکن اس اختلاف کے باوجود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت وبلندی کا کھلے لفظوں میں اعتراف کیا ہے، اور فن فقہ میں ان کی مہارت اور وسعت علمی کو تسلیم کیا ہے، چنانچہ انہوں نے فرمایا:

**الناس فی الفقه عیال علی أبی حنیفة۔**

**(الفقه الاسلامی وادلته: ۱/ ۴۴)**

لوگ فقہ میں امام صاحبؒ کے محتاج ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات بھی آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ جو فقیہ بننا چاہے تو اسے چاہیے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کو چمٹ

جائے، میں خود امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں سے فقیہ بنا ہوں۔ (در مختار: ۱ / ۱۴۳)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مذاکرہ کیا، مذاکرہ کے دوران میرے اور ان کے مابین کسی مسئلہ میں اختلاف ہو گیا، اور مباحثہ میں تو تو میں میں ہوگئی؛ لیکن اس کے باوجود امام محمد رحمۃ اللہ علیہ...... جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے...... کے دل میں ان کے حوالہ سے ذرہ برابر ابال نہیں آیا، یہی وجہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع سے فرمایا: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایسے شخص ہیں جو کسی مسئلہ میں اختلاف کر کے اپنی بات منوا سکتے ہیں، سائل نے دریافت کیا: ایسا کیوں؟ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو بیان اور افہام و تفہیم پر اچھی دسترس ہے، نیز وہ فریق مخالف کی بات اچھی طرح سنتے ہیں اور سوچ سمجھ کر جواب دیتے ہیں۔ (الانتقاء فی فضائل الائمۃ الثلاثۃ الفقہاء، ص: ۸۹)

علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ قاضی ابو عاصم عامری رحمۃ اللہ علیہ ایک مشہور حنفی عالم تھے، ایک مرتبہ وہ مشہور شافعی عالم علامہ قفال رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں نماز مغرب ادا کرنے کے لیے حاضر ہوئے، شافعی مسلک میں تکبیر کہتے وقت شہادتین یعنی اشھد ان لا الہ الا اللہ، اشھد ان محمدا رسول اللہ اور حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح صرف ایک مرتبہ کہے جاتے ہیں، اور حنفی مسلک میں دو دو مرتبہ، علامہ قفال رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی ابو عاصم عامری رحمۃ اللہ علیہ کو مسجد میں دیکھ کر ان کے احترام کی وجہ سے اپنے موذن کو حکم دیا کہ آج تم تکبیر کے کلمات دو دو مرتبہ کہنا، اس کے بعد انہوں نے قاضی ابو عاصم حنفی رحمۃ اللہ علیہ سے نماز پڑھانے کو کہا تو قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نماز پڑھاتے وقت سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ بلند آواز سے پڑھی، اور نماز کے کئی دوسرے افعال بھی شافعی مسلک کے مطابق ادا کیے۔ (تراشے، ص: ۸۴)

فقیہ عماد الدین شافعی اور قاضی القضاۃ ابو طالب حنفی رحمۃ اللہ علیہما ایک دوسرے کے معاصر تھے، اور معاصرانہ چشمک دونوں کے درمیان حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی، فقیہ عماد الدین شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو پیام اجل قاضی القضاۃ سے پہلے آ گیا؛ کیونکہ قاضی القضاۃ کا ایک مخالف دنیا سے کم

ہوگیا تھا؛اس لیے یہ بظاہران کی خوشی اور مسرت کا موقع تھا،لیکن جب وہ ان کی تدفین سے فارغ ہوئےتو ان کی قبر کے پاس کھڑے ہوکر یہ حسرت ناک شعر پڑھا:

عقم النساء فلا تلدن شبیهه ان النساء بمثله عقیم

عورتیں بانجھ ہوگئی ہیں ،اوراس جیسا مرد صالح پیدا نہیں کرسکیں گی ،واقعہ یہ ہے کہ عورتیں اس جیسا مرد صالح پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔(دیکھئے وفیات الاعیان:۳/۲۸۹)

## احناف اور مالکیہ کے مابین اختلاف رائے اور باہمی ادب واحترام

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اورامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مابین سینکڑوں مسائل میں اختلاف پایا جاتا ہے،اس کے باوجود یہ دونوں حضرات ایک دوسرے کی عزت کیا کرتے تھے،اور باہم عقیدت ومحبت سے پیش آتے تھے،حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا،اورمیں نے انہیں دیکھا کہ عرق آلود پیشانی کو پوچھ رہے ہیں، میں نے وجہ دریافت کی توامام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ میں غیر معمولی مہارت نے میری پیشانی کوعرق آلودکردیا ہے، پھر حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری ملاقات امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی، میں نے ان کوامام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا تعریفی جملہ سنایاتوامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہنے لگے: میں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ حاضر جواب اوران سے بہتر کسی کوتنقید کرنے والانہیں پایا۔(ترتیب المدارک وتقریب المسالک:۱/۱۵۲)اسی طرح ایک مرتبہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟آپ نے فرمایا:اگرامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مسجد کے ان دونوں ستونوں کولکڑی کا کہیں تو وہ ثابت کردیں گے کہ یہ دونوں ستون لکڑی کے ہیں۔(حوالۂ بالا)

خلیفہ ہارون رشید نے پچھنہ لگوانے کے بعدامام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے مطابق وضو کئے بغیراسی حالت میں نماز پڑھائی ،حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے بھی خلیفہ کے پیچھے نمازادا کی ،لوگوں نے کہا کہ آپ نے خلیفہ کے پیچھے نمازادا کی جب کہ انہوں نے پچھنہ لگوانے

کے بعد وضو کیے بغیر نماز پڑھائی ہے، اور آپ کا مسلک یہ ہے کہ پچھنہ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: امام المسلمین کے پیچھے نماز ادا نہ کرنا شیعہ و روافض کا شعار ہے۔ (ادب الاختلاف فی مسائل العلم والدین، ص: ۸۶)

فتاوی بزازیہ میں ہے کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے جمعہ کے روز حمام میں غسل کیا، اور لوگوں کو نماز پڑھائی، نماز پڑھ کر جب لوگ منتشر ہو گئے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع دی گئی کہ حمام کے کنویں میں ایک مرا ہوا چوہا موجود ہے، امام موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سن کر کہا: تو پھر اس وقت ہم اپنے مدنی بھائیوں (مالکیوں) کے مسلک پر عمل کرتے ہیں کہ جب پانی دو قلہ کی مقدار میں ہو تو وہ نجس نہیں ہوتا؛ بلکہ وہ ماء کثیر کا حکم ہو جاتا ہے۔ (الفتاوی البزازیۃ: ۲/ ۹)

## شافعی و حنبلی مکتب فکر میں اختلاف رائے اور باہمی ادب واحترام

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے، اور ایک لائق شاگرد کو اپنے استاد محترم سے فطری طور پر عقیدت و محبت ہوتی ہے؛ لیکن اس سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ استاد ہونے کے باوجود امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے فضل وکمال کے معترف تھے، اور حدیث دانی میں ان کی مہارت اور وسعت علمی کو تسلیم کرتے تھے؛ چنانچہ ایک مرتبہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا: واقعہ یہ ہے کہ تم حدیث اور رجال حدیث کے بارے میں مجھ سے زیادہ واقفیت رکھتے ہو، اگر کوئی حدیث صحیح ہو تو مجھے اس کی خبر دینا، خواہ وہ کسی کوفی محدث سے منقول ہو یا شام یا بصرہ کے محدث سے۔ (مناقب الامام الشافعی وآدابہ، ص: ۱/ ۱۷۰)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہی کے بارے میں آتا ہے کہ جب امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے کوئی حدیث بیان کرتے تو احتراما ان کا نام نہیں لیتے تھے؛ بلکہ فرماتے: **حدثنا الثقة من اصحابنا** ہمارے ثقہ شاگرد نے یہ روایت ہم سے بیان کی ہے۔ (ادب الخلاف، ص: ۳۲)

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے بکثرت دعاء کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ ان کے صاحبزادے نے پوچھا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کون ہیں؟ ہم آپ کو ان کے

لئے کثرت سے دعاء کرتے ہوئے دیکھتے ہیں، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: اے میرے لڑکے! وہ دنیا کے لئے آفتاب کے مانند تھے، اور لوگوں کے لئے صحت وعافیت کے درجہ میں تھے، کیا تم دنیا کے اندر آفتاب اور صحت وعافیت کی نظیر اور مثیل بھی دیکھتے ہو؟ (الانتقاء فی فضائل الائمۃ الثلاثۃ الفقہاء، ص: ۷۴)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت صالح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میری ملاقات یحی ابن معین رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی، انہوں نے کہا کہ کیا تمہارے والد کو اپنی حرکت پر شرم نہیں آتی؟ میں نے پوچھا کیا بات ہے؟ یحی بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میں نے دیکھا کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ اونٹ پر سوار ہیں، اور تمہارے والدان کے اونٹ کی لگام پکڑ کر پیدل چل رہے ہیں، صالح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس بات کا اپنے والد سے تذکرہ کیا، میرے والد نے کہا: اگر ان سے تمہاری ملاقات ہو تو کہنا میرے والد کہہ رہے ہیں کہ اگر آپ فقیہ بننا چاہتے ہیں تو آیئے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی سواری کا دوسری جانب کا لگام پکڑیئے۔ (الانتقاء فی فضائل الائمۃ الثلاثۃ الفقہاء، ص: ۷۵)

اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مکہ میں میری ملاقات امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی، انہوں نے کہا: آؤ اے اسحاق! آج میں تمہاری ملاقات ایسے باکمال آدمی سے کراؤں کہ اس جیسے آدمی سے تم نے کبھی ملاقات نہیں کی ہوگی، اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کچھ دیر کے بعد انہوں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کروائی۔ (الانتقاء فی فضائل الائمۃ الثلاثۃ الفقہاء، ص: ۷۴)

فقہائے شوافع کے نزدیک پرندوں کی بیٹ بھی ناپاک ہوتی ہے۔ قاضی ابوالطیب بڑے شافعی عالم تھے۔ جب جمعے کی نماز شروع ہوئی اور انھوں نے تکبیر کہنے کا ارادہ کیا تو پرندے نے ان پر بیٹ کردی، انھوں نے تحریمہ باندھ لیا اور کہا کہ آج میرا عمل امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے پر ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ پچھنہ لگانے سے یا نکسیر پھوٹنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، چنانچہ ان سے پوچھا گیا کہ اگر امام نے پچھنہ لگانے کے بعد بغیر وضو کیے نماز پڑھائے تو آپ اس کے پیچھے نماز ادا کریں گے؟ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: سبحان اللہ، کیا میں امام مالک اور سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہما کے پیچھے نماز نہیں پڑھوں گا؟ (ان دونوں حضرات کا مسلک یہ ہے کہ پچھنہ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا) (ادب الاختلاف فی مسائل العلم والدین، ص:۸۶)

## شافعی اور مالکی کے مابین اختلاف رائے اور باہمی ادب واحترام

ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھی اور ان کے معاصر تھے، شریعت کے علوم واسرار سے واقفیت رکھتے تھے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے:

مالک وعیینة قرینان، ولولا مالک وعیینة لذهب علم الحجاز۔ (ترتیب المدارک وتقریب المسالک:۱/۱۵۰)

امام مالک اور ابن عیینہ دونوں ساتھی ہیں، اگر یہ دونوں نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا۔

عبداللہ بن الحکم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے صاحبزادے مسلک کے لحاظ سے مالکی تھے، اور وہ دیگر مسالک کو بھی صحیح اور حق بجانب سمجھتے تھے، انہوں نے اپنے صاحبزادے کو تاکید کی کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں زیادہ سے زیادہ وقت گزاریں، اور ان سے شریعت کے علوم حاصل کریں، تاریخ نویسوں نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن الحکم رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے نے اپنے والد کی نصیحت کے مطابق حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، اور ان کی صحبت میں ایک طویل عرصہ گزارا، ان کے صاحبزادے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: بخدا! امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فن حدیث میں بڑی مہارت رکھتے تھے، ان کو علم وفضل میں امتیازی مقام حاصل تھا، اس کے علاوہ وہ فصیح اللسان اور قادر الکلام تھے، ذہن زرخیز اور فکر ارجمند کے مالک تھے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ہی مجھے قرآن وحدیث سے مسائل کو مستنبط کرنے کا طریقہ سکھلایا۔ (الانتقاء فی فضائل الائمۃ الثلاثۃ الفقہاء، ص:۷۳)

# محدثین کرام کی اپنے مخالفین کے ساتھ وسعت ظرفی

تابعین اور تبع تابعین اور اسلاف واکابر رحمۃ اللہ علیہم میں بھی اختلاف رائے کے باوجود وسعت ظرفی اور تحمل وبردباری کا عنصر نمایاں طور پر نظر آتا ہے، چنانچہ جب کبھی مشترکہ اغراض کے لئے جدوجہد کرنے کی ضرورت پیش آئی وہ حضرات تمام فروعی اختلافات کو پس پشت ڈال کر سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے، اور اسلام اور مسلمانوں سے وابستہ مفاد کے حصول کے لئے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوگئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال وافعال کو جمع کرنا نہایت اہم اور عظیم الشان کام تھا؛ کیوں کہ کائنات کی بہترین ہستی کے بکھرے اور نکھرے ہوئے نسترن ویاسمین ہی سے گلستان انسانیت میں سرسبزی وشادابی ہے، اور یہ خوش رنگ اور خوش نما پھول ہی ہیں جو خزاں رسیدہ چمن عالم کو تازگی اور اس کے برگ وبار کو بالیدگی بخشتے ہیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عطر بیز دہن سے جھڑی ہوئی موتیوں کو ایک سلک میں پرونے کے لئے محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے جو اصول وضوابط وضع کیے اس میں انہوں نے فراخ دلی اور سیر چشمی کا ثبوت دیا، اور انہوں نے فرق ضالہ سے احادیث روایت کرنے کو جائز سمجھا؛ بلکہ اکثر محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا کہ اگر کسی حدیث کے سلسلۂ سند میں کوئی معتزلی یا شیعہ وغیرہ ہو تو یہ حدیث معتبر ہوگی، بشرطیکہ وہ اپنی بدعت کی لوگوں میں تبلیغ نہ کرتا ہو۔

## محدثین رحمۃ اللہ علیہم کی فرق ضالہ کے رجال حدیث کے بارے میں شہادت

ابراہیم بن یحی رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے، اور وہ فرقہ قدریہ سے وابستہ تھے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب ان سے روایت کرتے تو کہتے تھے کہ یہ مجھ سے ایسے شخص نے روایت کی جس کا دین مشکوک ہے؛ لیکن روایت صحیح کرتا ہے۔

ہشام دستوائی رحمۃ اللہ علیہ قدریہ فرقہ سے وابستہ تھے، حضرت امام ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ ان سے اختلاف رائے کے باوجود ان کی توثیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

**کان ثقة وحجة إلا أنه يرى القدر۔**

(تذکرۃ الحفاظ للذہبی: ۱/ ۱۲۴)

وہ ثقہ اور حجت تھے؛ مگر قدریہ تھے۔

حسن بن صالح رحمۃ اللہ علیہ کا میلان فرقہ خارجیہ کی طرف تھا؛ لیکن حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ ان کے متعلق شہادت دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے آٹھ سو شیوخ سے فن حدیث حاصل کیا ہے؛ مگر حسن بن صالح رحمۃ اللہ علیہ سے افضل میں نے کسی کو نہیں پایا۔ (سیر اعلام النبلا: ۷/ ۵۷)

ابوسہل واسطی رحمۃ اللہ علیہ شیعیت کی طرف جھکاؤ رکھتے تھے، اور اسی وجہ سے خلیفہ ہارون رشید نے ان کو جیل میں قید کردیا تھا؛ لیکن علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کے احوال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

**متفق على الاحتجاج به۔** (تذکرۃ الحفاظ للذہبی: ۱/ ۱۹۲)

ان کے حجت ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

عبداللہ ابن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرقہ شیعہ کے سرخیل اور اکابر علماء میں سے تھے، حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے حدیث روایت کی ہے، علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے متعلق لکھتے ہیں:

**صدوق غال في التشيع۔** (تذکرۃ الحفاظ للذہبی: ۱/ ۱۵۰)

سچے ہیں؛ تاہم تشیع میں غلو کرتے ہیں۔

## منصور ابن زاذان رحمۃ اللہ علیہ کا علی ابن زید رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف رائے اور وسعت ظرفی

منصور ابن زاذان رحمۃ اللہ علیہ جلیل القدر تابعی تھے، علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کا ذکر جمیل ان الفاظ سے کیا ہے:

**كان ثقة حجة صالحا كبير الشأن** (تذکرۃ الحفاظ للذہبی: ۱/ ۱۹۲)

وہ ثقہ (دنیا والوں کے لئے) حجت، نیک اور بڑے مقام و مرتبہ کے حامل تھے۔

حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا تو ممدوح تابعی نے علی ابن زید رحمۃ اللہ علیہ سے جو شیعیت کی طرف مائل تھے حسن رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ بیٹھنے کو فرمایا، اللہ تعالی نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو جو مقام و مرتبہ اور بندگان خدا میں قبولیت عطا کی تھی وہ کسی بھی انسان سے مخفی نہیں ہے، ان کے مسند پر ایسی شخصیت کو بیٹھنے کے لئے کہنا جو شیعیت کی طرف مائل تھی اختلاف رائے کے باوجود باہمی توقیر و احترام کی واضح دلیل ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ: ۱ / ۱۰۶)

## احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا ابراہیم بن طہمان رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف رائے اور ان کا ذکر خیر

امام ابراہیم بن طہمان رحمۃ اللہ علیہ عقیدے کے لحاظ سے سے مرجیہ تھے، اور اس حوالے سے وہ ایک گونہ غلو سے بھی کام لیتے تھے، ایک مرتبہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سخت علیل ہونے کی وجہ سے تکیے سے سہارا لگا کر بیٹھے ہوئے تھے، اسی دوران مجلس میں کسی نے ابن طہمان رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ چھیڑا، حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ یہ سنتے ہی سنبھل کر بیٹھ گئے، اور فرمایا کہ جس مجلس میں صالحین کا ذکر ہو اس میں ٹیک لگا کر بیٹھنا مناسب نہیں ہے، اے اللہ! اب ایسے نیک اور پاک طینت بزرگ کیوں پیدا نہیں ہوتے؟ (تذکرۃ الحفاظ: ۱ / ۱۵۷)

## ابن سیرین اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہما کے مابین ناچاقی اور خواب کی تعبیر

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے مابین باہم کسی وجہ سے ناچاقی اور بدمزگی ہوگئی تھی، اس کے باوجود یہ دونوں حضرات ایک دوسرے کی جلالت شان اور وسعت علمی کو تسلیم کرتے تھے، چنانچہ ایک دن کسی شخص نے علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک پرندہ مسجد کا سب سے زیادہ خوشنما سنگریزہ اٹھا کر لے گیا، ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر تیرا یہ خواب سچا ہے تو حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات قریب ہے، چنانچہ چند ہی روز کے بعد ان کی وفات ہوئی۔ (وفیات الاعیان: ۲ / ۷۲) اس قدر

کشیدگی کے باوجود ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے خانہ خدا کا نفیس سنگریزہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو بتایا، یقینا یہ ان کے خلوص، دیانتداری اور مخالف کے مقام ومرتبہ کا کھلے لفظوں میں اعتراف کی روشن مثال ہے، اور ہم لوگوں کے لئے اس میں تذکیر وموعظت کا سامان ہے۔

## نصاب تعلیم میں مخالف فرقہ کی کتابوں سے استفادہ

نصاب تعلیم میں مخالف فرقہ کے لوگوں کی مذہبی کتابوں سے استفادہ کرنا اور کتاب کے محاسن وخوبیوں کو برملا سراہنا اسلاف کا طریقہ رہا ہے، درس نظامی کا ادنی طالب جانتا ہے کہ امام زمخشری رحمۃ اللہ علیہ...... جو معتزلی گروہ سے نہ صرف وابستہ تھے؛ بلکہ معتزلہ کے بڑے عالم شمار کیے جاتے تھے...... نے قرآن کریم کی ایک بے مثال اور شہرۂ آفاق تفسیر تفسیر کشاف لکھی، اور اس میں انھوں نے اپنے عقائد ونظریات صراحتا تو کہیں اشارۃ داخل کیے، تاہم ابتداء سے آج تک یہ کتاب ہمارے علماء کے مطالعہ میں رہی ہے، اور ہمارے علماء کو اس بات کا اعتراف ہے کہ تفسیر کشاف ادب، عربیت اور بلاغت ومعانی کے لحاظ سے ایک لاجواب اور بے نظیر کتاب ہے، البتہ جہاں جہاں امام زمخشری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عقائد کا اظہار کیا ہے وہاں یہ تنبیہ کر دیتے ہیں کہ یہ معتزلہ کے عقائد ہیں۔

# ماضی قریب کے اکابر علماء کے مابین اختلاف رائے اور باہمی ادب واحترام کی چند روشن مثالیں

ماضی قریب میں جو ہمارے اسلاف اور اکابر رحمۃ اللہ علیہم گزرے ہیں وہ بھی حضرات صحابہ، تابعین اور تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم کے نقش قدم پر تھے، ان کے اخلاق و کردار کے حسن کو گویا انہوں نے اپنی شخصیت میں جذب کرلیا تھا، وہ متعدد مسائل میں اپنے معاصرین سے اختلاف رکھتے تھے؛ لیکن چوں کہ اس کا منشا خواہشات نفس کی پیروی نہیں تھی؛ اسی لیے وہ اختلاف کے باوجود اپنے مخالفین کے ساتھ محبت اور خیر خواہی سے پیش آتے تھے، اور ان کے علمی مقام ومرتبہ کے نہ صرف معترف اور ثنا خواں تھے، بلکہ ان کی خوبیوں اور کمالات کا برملا وہ اظہار بھی کیا کرتے تھے، ذیل میں ہمارے اسلاف واکابر رحمۃ اللہ علیہم کے چند واقعات سپرد قرطاس کئے جاتے ہیں:

## حضرت قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا مخالف نظریہ کے حامل امام کے ساتھ خوش گوار گفتگو

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا دلی میں قیام تھا، چند مخصوص اور ممتاز تلامذہ آپ کے ساتھ تھے، جن میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا احمد حسن امروہوی رحمۃ اللہ علیہ اور حاجی امیر شاہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، مولانا احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: بھائی! لال کنویں کی مسجد کے جو امام ہیں ان کے قرات بہت اچھی ہے، کل فجر کی نماز ان کے پیچھے پڑھیں گے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے غصے میں فرمایا کہ تمہیں شرم نہیں آتی ہے، بے غیرت وہ ہمارے حضرت کی تکفیر کرتا ہے، ہم اس

کے پیچھے نماز پڑھیں گے؟ یہ گفتگو حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے کان میں پہنچی، اگلے دن حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے تلامذہ کے ساتھ اسی مسجد میں فجر کی نماز پڑھنے کے لئے پہنچے، اور امام کے پیچھے فجر کی نماز ادا کی، چوں کہ یہ حضرات دیگر لوگوں کے لئے اجنبی تھے؛ اس لئے انہوں نے تعارف پوچھا، جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ مولانا محمد قاسم ہیں، اور وہ ان کے شاگرد شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ اور یہ مولانا احمد حسن محدث امروہی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، تو امام کو سخت حیرت ہوئی کہ میں رات دن انہیں کافر کہتا ہوں، اور یہ نماز کے لیے میرے پیچھے آ گئے، امام نے خود آگے بڑھ کر مصافحہ کیا، اور کہا کہ حضرت میں آپ کی تکفیر کرتا تھا، میں آج اپنی حرکتوں پر شرمندہ ہوں، حضرت نے فرمایا: کوئی بات نہیں، میرے دل میں آپ کے اس جذبے کی قدر ہے، اور آج یہ قدر زیادہ بڑھ گئی ہے، آپ کو خبر پہونچی کہ میں معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتا ہوں؛ لہذا آپ کی غیرت ایمانی کا یہی تقاضہ تھا، البتہ اس کی مجھے ضرور شکایت ہے کہ آپ کو پہلے روایت کی تحقیق کرنی چاہیے تھی، اس کے بعد آپ مجھ پر کوئی حکم لگاتے، اب میں عرض کر رہا ہوں کہ یہ خبر غلط ہے، اور میں خود اس شخص کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں جو ادنیٰ درجے میں بھی نبی کی توہین کرے، اور اگر آپ کو یقین نہ آئے تو آپ کے ہاتھ پر ابھی اسلام قبول کرتا ہوں: **اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا عبده و رسوله** امام بیچارہ قدموں میں گر پڑا، اور حضرت سے معافی مانگنے لگا۔ (خطبات حکیم الاسلام، ص: ۶ / ۶۶)

## مولانا رشید احمد اور حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہما کے مابین اختلاف رائے اور باہمی احترام

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ مکہ معظّمہ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھے، حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مولود شریف میں شرکت کے لیے بلاوا آیا، حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: مولوی صاحب چلو گے؟ میں نے کہا: نہیں، میں تو نہیں جاتا؛ کیوں کہ میں ہندوستان میں لوگوں کو منع کیا کرتا ہوں، اگر میں یہاں شریک ہو گیا تو وہاں کے لوگ کیا کہیں گے؟ حاجی

صاحب نے بجائے برا ماننے کے مولانا کے اس انکار کی بہت تحسین فرمائی، اور فرمایا میں تمہارے جانے سے اتنا خوش نہ ہوتا جتنا تمہارے نہ جانے سے خوش ہوں۔

(حدود اختلاف، ص:۱۸۶)

## شیخ الہند اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہما کے مابین اختلاف رائے اور باہمی احترام

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان کی تحریک آزادی کے امام تھے، اس وقت کی سیاسی تحریکات میں چوں کہ ہندو اور مسلم ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے تھے، اور شرعی حدود سے ناواقفیت، مزید سیاست میں بے پرواہ لیڈروں کی شمولیت کی وجہ سے اسلامی شعائر اور شرعی حدود کی کوئی پرواہ نہیں رہ گئی تھی؛ اسی لئے شیخ الہند کو ایک جماعت جمعیت علماء ہند قائم کرنے پر مجبور ہونا پڑا؛ تاکہ اس تحریک کے ساتھ علماء کی رہنمائی کی وجہ سے ان منکرات اور خلاف شرع امور سے نجات ملے، جو ہندو مسلم اشتراک کی وجہ سے پیدا ہو رہے تھے، اس کا پہلا جلسہ دہلی میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت میں ہوا، اور اس خطبہ کی صدارت میں اس طرح کے منکرات پر کھل کر نکیر بھی کیا گیا؛ لیکن حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں اس وقت تحریک پر قبضہ ایسے لیڈروں کا ہو چکا تھا جن کی اکثریت سے علماء کی پیروی اور حدود شرعیہ کی رعایت کی امید نہ تھی، خصوصا ہندوؤں کے ساتھ جن بنیادوں پر اشتراک ہو رہا تھا ان سے کسی حال میں یہ امید نہ تھی کہ اس کے نتیجہ میں کوئی اسلامی حکومت بن سکے؛ اس لئے آپ رحمۃ اللہ علیہ ان تحریکات سے الگ رہے۔

دونوں بزرگوں کا یہ اختلاف رائے دینی اور شرعی وجوہ کی بناء پر تھا، اور یہ اختلاف اصلی حدود کے اندر تھا، حضرت حکیم الامت شاگرد ہونے کی بناء پر حضرت شیخ الہند کا انتہائی ادب واحترام رکھتے ہی تھے، خود حضرت استاد بھی کا یہ حال تھا کہ تھانہ بھون میں جلسۂ خلافت کی صدارت کے لئے قصبہ کے لوگوں نے آپ کو دعوت دی، اور اس زمانہ میں اکثر اس طرح کے جلسوں کے لئے آپ اسفار بھی فرما رہے تھے، مگر تھانہ بھون والوں کی درخواست پر فرمایا:

اور جہاں کہیں آپ جلسہ کرائیں میں شریک ہوں گا، مگر تھانہ بھون جا کر جلسہ کرنا مجھے پسند نہیں ہے؛ کیوں کہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو میری رائے سے جو اختلاف ہے وہ بھی دینی اور شرعی وجوہ کی بناء پر ہے، اگر میں وہاں جلسہ میں گیا تو وہ شرعی اور فقہی رائے کی بناء پر شرکت نہیں کر سکیں گے، اور عدم شرکت سے ان کو سخت ضیق اور تنگی پیش آئے گی، اور میں اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔
(مجالس حکیم الامت، ص:۲۹۹)

## حسین احمد مدنی اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہما کے مابین اختلاف رائے اور باہمی احترام

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہما کے مابین سیاسی نوعیت کا جو اختلاف تھا وہ ہر شخص جانتا ہے، اور اس اختلاف کے اثرات آج بھی باقی ہیں، لیکن اس اختلاف کے باوجود باہمی محبت واخوت کا عنصر نمایاں طور پر ان کے درمیان محسوس کیا جاتا تھا، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سفر پر تھے کہ راستہ میں انہیں گرفتار کر لیا گیا، یہ خبر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو پہونچی تو آپ کو بڑا دکھ اور صدمہ پہونچا، اور سخت اضطراب اور بے چینی میں خانقاہ امدادیہ کے مسقّف حصہ پر ٹہلتے ہوئے پریشانی اور کرب والم کی کیفیت میں فرما رہے تھے کہ مجھے یہ احساس نہ تھا کہ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے مجھے اس درجہ والہانہ تعلق ہے، جس کی وجہ سے مجھے اتنا قلق اور رنج پہونچا ہے۔
(حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے حیرت انگیز واقعات، ص:۲۲۱)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ حضرت قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا: میں مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے سیاسی کاموں میں مخلص اور متدین سمجھتا ہوں، البتہ مجھے ان سے حجت کے ساتھ اختلاف ہے، اگر وہ اختلاف رفع ہو جائے تو میں ان کے ماتحت ایک ادنی سپاہی بن کر کام کرنے کے لئے تیار ہوں، ایک موقع پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں مفتی کفایت اللہ صاحب کے حسن تدبر کا اور مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے جوش عمل کا معتقد ہوں۔ (مکتوبات شیخ الاسلام، ص:۱/ ۱۲)

ایک مرتبہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا: ہمارے اکابر دیوبند کی بفضلہٖ تعالیٰ کچھ خصوصیات ہوتی ہیں، چنانچہ شیخ مدنی رحمۃ اللہ علیہ میں دو خداداد خصوصی کمال ہیں، جوان میں بدرجہ اتم موجود ہیں، ایک تو مجاہدہ جو کسی دوسرے میں اتنا نہیں ہے، دوسرے تواضع، چنانچہ سب کچھ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے۔ ایک مرتبہ فرمایا: مجھ کو اپنی موت پر بھی فکر تھی کہ بعد میں باطنی دنیا کی خدمت کرنے والا کون ہے؟ مگر حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر تسلی ہوگئی کہ یہ دنیا ان سے زندہ رہے گی۔ (حضرت شیخ الاسلامؒ کے حیرت انگیز واقعات، ص: ۲۱۰)

حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک حاجی صاحب نے بیان کیا کہ میں تھانہ بھون میں حاضر تھا، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے، اور رات کو قیام فرمایا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے نماز پڑھانے کی حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اگر میں نماز پڑھاؤں گا تو کچھ لوگوں کو گرانی ہوگی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جن کی نماز نہ ہوا پنی نماز کہیں دوسری مسجد میں جا کر پڑھ لیں؛ لیکن نماز تو آپ ہی پڑھائیں گے، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے نماز پڑھائی، یہ جمعہ کا دن تھا، پہلی رکعت میں میں سورہ الم سجدۃ اور دوسری رکعت میں سورہ دہر کی تلاوت کی، آیت سجدہ پر سجدہ کیا، بعض لوگ رکوع میں چلے گئے اور جب سجدے سے اٹھنے کی تکبیر کہی گئی تو رکوع سے اٹھے، نماز کے بعد چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں، بعض نے کہا: نماز نہیں ہوئی، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: شاید اس نماز کی برکت سے ہماری زندگی بھر کی نمازیں قبول ہوجائیں۔

(حدود اختلاف، ص:۲۲۱)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ حضرت مدنی کو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے سیاسی مسلک سے اختلاف تھا، لیکن ان کے قلب میں نہ صرف حضرت تھانوی کی قدر و منزلت کم نہ تھی بلکہ وہ حضرت تھانوی کے ساتھ اپنے بڑوں جیسا معاملہ ہی فرماتے تھے، چنانچہ مجھے یاد ہے کہ عین اس زمانے میں جبکہ حضرت تھانوی اور حضرت

مدنی کا سیاسی اختلاف الم نشرح ہو چکا تھا، ایک مرتبہ حضرت مدنی نے دیوبند کے بعض اساتذہ سے کہا کہ عرصہ ہوا ہمارا تھانہ بھون جانا نہیں ہوا، اور حضرت تھانوی کی زیارت کو دل چاہتا ہے، چنانچہ حضرت مدنی اور دارالعلوم دیوبند کے بعض دوسرے اساتذہ تھانہ بھون کے لیے روانہ ہوئے، اتفاق سے گاڑی رات دیر گئے تھانہ بھون پہنچی، اور یہ حضرات ایسے وقت خانقاہ کے دروازے پر پہنچے کہ خانقاہ بند ہو چکی تھی، ان حضرات کو یہ معلوم تھا کہ خانقاہ کا نظام الاوقات مقرر ہے؛ اس لیے نہ اس نظام کی خلاف ورزی مناسب سمجھی اور نہ حضرت تھانوی کو رات گئے تکلیف دینا پسند کیا، اللہ تعالی نے حضرت مدنی کو بڑا جفاکش اور مجاہدانہ زندگی کا عادی بنایا تھا، چنانچہ آپ اپنے ساتھیوں سمیت خانقاہ کے دروازے کے سامنے چبوترے ہی پر لیٹ کر سو گئے، حضرت تھانوی فجر کی اذان کے وقت جب اپنے مکان سے خانقاہ کی طرف تشریف لائے تو دیکھا کہ کچھ لوگ باہر چبوترے پر لیٹے ہیں، اندھیرے میں صورتیں نظر نہ آئیں، چوکیدار سے پوچھا تو اس نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا، قریب پہنچ کر دیکھا تو حضرت مدنی اور حضرت مولانا اعزاز علی صاحب جیسے حضرات تھے، حضرت تھانوی نے اچانک انہیں دیکھا تو مسرور بھی ہوئے اور اس بات کا صدمہ بھی ہوا کہ یہاں پہنچ کر اس حالت میں انھوں نے رات گزاری، چنانچہ ان سے پوچھا کہ حضرت! آپ یہاں کیوں سو گئے؟ تو حضرت مدنی نے فرمایا کہ ہمیں معلوم تھا کہ آپ کے یہاں ہر چیز کا نظم مقرر ہے، خانقاہ اپنے مخصوص وقت پر بند ہو جاتی ہے، اور پھر نہیں کھلتی، حضرت تھانوی نے فرمایا کہ خانقاہ کا تو نظم بلاشبہ یہی ہے؛ لیکن غریب خانہ تو حاضر تھا، اور اس پر تو آپ جیسے حضرات کے لیے کوئی پابندی نہ تھی۔ حضرت مدنی نے فرمایا کہ ہم نے رات گئے آپ کو تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا، غرض اس طرح یہ حضرات تھانہ بھون گئے، اور ایک دو روز رہ کر واپس تشریف لائے۔ (البلاغ، مفتی اعظم نمبر، ص: ۲۸۷)

دوسری طرف حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے جو عقیدت ومحبت تھی اس کا اندازہ ان کے بعض خطوط ومکاتیب سے لگایا جاسکتا ہے، چنانچہ

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

واقعہ یہ ہے کہ یہ ناکارہ حضرت مولانا تھانوی دامت برکاتہم کا نہایت معتقد اور ان کی تعظیم واحترام کو نہایت ضروری سمجھتا ہے، ان کی قابلیت اور کمالات کے سامنے اتنی بھی نسبت نہیں رکھتا جو کہ طفل دبستاں کو افلاطون سے ہو سکتی ہے، میں مولانا کو اپنا مقتدا اور اپنے اکابرین میں سمجھتا ہوں۔ (مکتوبات شیخ الاسلام، ص:۱ / ۱۷۳)

حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ اپنے ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں:

حضرت مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم سے ہمارا سیاسی اختلاف ہے، اور بہت زیادہ اختلاف ہے، مگر جزئیات اور فروع اور اسلامک لاء (جن کو سیاست سے تعلق نہیں) ان میں ان کا قول قابل اعتماد ہوگا، مولانا موصوف کا اسلامی تفقہ اور علوم وفنون میں تمام عمر مصروف رہنا، ان کی تعلیم دینا، ان میں اعلی سے اعلی ڈگری حاصل کرنا، ان میں بے شمار مفید اور کارآمد تصانیف کر کے عالم اسلامی اور خلائق کو فیض یاب کرنا آفتاب کی طرح دنیا میں روشن ہے اور ہو چکا ہے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام، ص:۱ / ۳۹۸)

ایک مرتبہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے مولانا سید فرید وحیدی صاحب نے ان سے پوچھا: حضرت! کیا حکیم الامت میں شان مجددیت تھی؟ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی سنجیدگی سے فرمایا: بے شک وہ مجدد تھے، انہوں نے ایسے وقت میں دین کی خدمت کی جب کہ دین کو بہت احتیاج تھی۔ (حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے حیرت انگیز واقعات، ص:۱۶۱)

مولانا عبد الماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیعت کی نیت سے حاضر ہوئے، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ خود بیعت کرنے کے بجائے ان کو حضرت

تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گئے، اور انہیں بیعت کرنے کی سفارش کی، مولانا دریابادی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو پوری صورت حال بتائی کہ بیعت کے لئے جو بزرگ ہماری نظر میں ہیں ان میں اول نمبر پر مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اب آگے جناب کا جیسا ارشاد ہو، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: آپ کا انتخاب بالکل صحیح ہے، میں اس سے بالکل اتفاق رکھتا ہوں، آپ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کیجئے، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: لیکن مجھ میں اس کی بالکل اہلیت نہیں، اور جناب کے ہوتے ہوئے کسی اور کی طرف رخ کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مگر مجھ پر تو آپ کو اعتماد ہے، اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ میں اہلیت ہے۔

(تکملہ الاعتدال فی مراتب الرجال، ص: ۳۵)

ان دونوں بزرگوں میں شدید سیاسی اختلاف کے باوجود باہمی محبت وعقیدت اور ایک دوسرے کا ادب واحترام کا کیسا جذبہ تھا، اس کو مولانا عبدالماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنئے:

> لوگ کہتے تھے کہ ان میں بے لطفی ہے، ناچاقی ہے؛ لیکن اس وقت آنکھیں یہ دیکھ رہی تھیں کہ دو دشمن نہیں؛ بلکہ دو دوست گلے مل رہے ہیں، تعظیم وتکریم مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ہوتی ہی ہے، عادت طبعی کی بناء پر بھی اور سن میں چھوٹے ہونے کی بناء پر بھی؛ لیکن مشاہدہ یہ ہو رہا تھا کہ ادھر سے بھی آداب رسم وتکریم میں کوئی کمی نہ تھی، لاحول ولاقوۃ، لوگ بھی کیسی کیسی بے پر کی اڑایا کرتے ہیں، اور لوگ بھی کون؟ عوام کالانعام نہیں، اچھے خاصے پڑھے لکھے ثقہ راوی، خود ان دونوں حضرات کے خدام ومریدین، بعض راوی زبان قال سے اور بعض زبان حال سے، الحمدللہ دونوں روایتیں غلط نکلیں۔ (تکملۃ الاعتدال فی مراتب الرجال، ص: ۳۴)

## حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف رائے اور احترام

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ سے بہت سی چیزوں میں اختلاف رکھتے ہیں، قیام، عرس، میلاد وغیرہ متعدد مسائل میں اختلاف رہا، مگر جب مجلس میں ان کا ذکر آتا تو فرماتے مولانا احمد رضا خان، ایک دفعہ مجلس میں بیٹھنے والے ایک شخص نے بغیر مولانا کے احمد رضا خان کہہ دیا تو حضرت نے ڈانٹا اور خفا ہو کر فرمایا: عالم تو ہیں، اگر چہ اختلاف رائے ہے، تم منصب کی بے احترامی کرتے ہو، یہ کیسے جائز ہے؟

(خطبات حکیم الاسلام، ص:٦ / ٦٦)

## حضرت مدنی اور علامہ انور شاہ کشمیری کا رحمۃ اللہ علیہما اختلاف رائے اور احترام

دونوں بزرگوں کے درمیان سیاسی اختلاف تھا ١٣٤٦ ہجری میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بعض وجوہات کی بناء پر جب دار العلوم دیوبند سے سے علیحدگی اختیار کر لی، تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے قائم مقام بنایا گیا، جس سے ذہنی تکدر ایک فطری چیز ہے؛ مگر اس کے باوجود دونوں حضرات کا باہم کیا طرز عمل تھا؟ ملاحظہ فرمائیں:

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا آسام سفر ہوا، آسام کی چائے پتی بڑی مشہور ہے، چنانچہ انہوں نے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے لیے ایک خاص قسم کی چائے پتی خریدی، اور اس کو وہیں سے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے پتے پر بھیجنا چاہتے تھے، مگر ذہن سے بات نکل گئی، سفر سے دیوبند واپس تشریف لے آئے، اس وقت حضرت شاہ صاحب بواسیر کی شدت کی وجہ سے ڈابھیل کے بجائے دیوبند تشریف لا چکے تھے، جمعہ کے روز نماز جمعہ سے فراغت کے بعد حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر واپس ہوتے ہوئے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے دولت خانہ کے پاس سے گزرے، ملاقات کے لیے ٹھہر گئے، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکان کے اندر گئے، اور چائے پتی کا بنڈل جس کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آسام سے خریدا تھا حضرت کشمیری کو پیش کر دیا، دونوں بزرگوں کا باہمی احترام اور خوشگوار

ملاقات ہم لوگوں کے لئے ایک روشن مثال ہے۔(سیرت شیخ الاسلام،ص:۲۰۰)

## حسین احمد مدنی اور شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہما کے مابین اختلاف رائے اور شخصیت کا احترام

ان دونوں شخصیتوں کے مابین سخت سیاسی اختلاف تھا،علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ مسلم لیگ کے پر جوش حامی تھے؛ بلکہ انہیں اس تحریک کا روح رواں کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا، جب کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ تقسیم ہند کے سخت خلاف تھے،اور ایک قومی نظریے کے اوپر یقین رکھتے تھے،سیاسی افکار ونظریات میں دونوں حضرات کے مابین گو سخت اختلاف تھا؛ تاہم دونوں حضرات ایک دوسرے کے علم وفضل کے معترف اور دل سے ایک دوسرے کے قدر دان تھے، چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم لیگ کانفرنس جس کا انعقاد میرٹھ میں ہوا اس کانفرنس کے خطبہ صدارت میں حضرت حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تحریر فرمایا:

> بعض مقامات پر جو ناشائستہ برتاؤ مولانا حسین احمد مدنی کے ساتھ کیا گیا ہے، میں اس پر اظہار بیزاری کیے بغیر نہیں رہ سکتا ،مولانا کی سیاسی رائے خواہ کتنی ہی غلط ہو ان کا علم وفضل بہر حال مسلم ہے، اور اپنے نصب العین کے لیے ان کی عزیمت وہمت اور انتھک جدوجہد ہم جیسے کاہلوں کے لئے قابل عبرت ہے، اگر مولانا کو اب مسلم لیگ کی بنا پر میرے ایمان میں خلل بھی نظر آئے یا میرے اسلام میں شبہ ہو تو مجھے ان کے ایمان اور ان کی بزرگی میں کوئی شبہ نہیں۔
>
> (بیس علمائے حق،ص:۹۰)

کچھ یہی حال حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی تھا، ان کے دل میں بھی علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے محبت اور عقیدت موجود تھی، چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر دار العلوم دیوبند کے تعزیتی جلسے میں خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا

حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی شخصیت بے مثال تھی، علم وفضل میں آپ کا پایہ بلند تھا، اور ہندوستان کے چیدہ علماء میں سے تھے، مولانا کے علم وفضل اور بلند پایہ شخصیت سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا، علمی طور پر ان کی شخصیت مسلمہ کل تھی، تحریر وتقریر کا خداداد ملکہ مولانا کا حصہ تھا، وہ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ (حوالہ بالا)

## حضرت سہارن پوری اور مولانا یحیی رحمۃ اللہ علیہما کے مابین اختلاف رائے اور وسعت ظرفی

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری اور حضرت مولانا محمد یحیی صاحب رحمۃ اللہ علیہما کے مابین متعدد مسائل میں اختلاف تھا، اس کے باوجود اختلاف کو برداشت کرنے کا جوجذبہ ان حضرات میں موجود تھا وہ ہمارے لئے لائق تقلید اور نمونہ ہے، چناں چہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ بعض لوگوں سے خود کہتے تھے کہ میرے نزدیک فلاں چیز جائز نہیں، اور مولوی محمد یحیی صاحب کے پاس جائز ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی ہدایت دیتے تھے کہ تمہاری مرضی ہے، چاہے تو میری بات پر عمل کرلو یا مولوی یحی سے جا کر پوچھ لو، اور ان کی رائے کے موافق عمل کرلو۔ (الاعتدال فی مراتب الرجال، ص: ۲۲۲)

## حضرت سہارن پوری اور مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہما کے مابین اختلاف رائے اور فراخ دلی

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ............ جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے، اور ان کے حلقۂ ارادت سے وابستہ تھے ............ فرماتے ہیں کہ ایک بار رمضان المبارک میں شعبان کے چاند کے مشتبہ ہوجانے کی وجہ سے یہ بحث شروع ہوئی کہ آج مطلع صاف ہے، تیس روزے ہوجانے کے بعد اگر شام کو چاند نظر نہیں آیا تو کل روزہ رکھنا چاہیے یا نہیں؟ میرے پیرومرشد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ تھی کہ شعبان کے چاند میں جس شہادت کو بنیاد بنایا گیا تھا وہ چند اسباب کی

وجہ سے حجت شرعیہ نہیں تھی؛ اس لئے دوسرے دن روزہ رکھیں گے، اور میری رائے میں شعبان کے چاند کے ثبوت کے لئے جس شہادت کو معیار قرار دیا گیا تھا وہ صحیح اور درست تھی؛ اس لئے کل کا روزہ نہیں ہے، اتفاق ایسا ہوا کہ شام کو چاند نظر نہیں آیا، حضرت سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ طئے فرمایا کہ میں روزہ رکھوں گا، میں نے عرض کیا: حضرت میرے لئے کیا حکم ہے؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میرے اتباع کی ضرورت نہیں، سمجھ میں آ گیا تو رکھو، ورنہ نہیں، بالآخر دوسرے دن حضرت سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ کا روزہ تھا، اور میرا افطار، حضرت سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ کے بعض خدام میں بھی یہی اختلاف رہا، چنان چہ بعض خادموں نے حضرت سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ کی طرح اس دن روزہ رکھا، اور بعض خدام نے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرح روزہ نہیں رکھا، حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خدام سے دریافت بھی نہیں فرمایا کہ تم نے افطار کیوں کیا؟ نیز فرماتے ہیں کہ مجھے اب تک قلق ہے کہ میں نے اپنی سمجھ کو اپنے پیرومرشد کی رائے کے مقابلے میں کیوں قابل اعتناء سمجھا، اگر چہ حضرت نے اس پر نکیر نہیں فرمائی، اور نہ ہی اشارۃ اس موقف پر کچھ طنز فرمایا؛ بلکہ ان کے طرز عمل سے مجھے اندازہ ہوا کہ انہوں نے میری رائے کی تصویب فرمائی۔ (حوالہ بالا)

## مفتی شفیع صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے اختلاف رائے کا انداز

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا شفیع صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی بابرکت شخصیت سے کون واقف نہیں ہے؟ آپ علم وعمل کے پیکر تقویٰ اور للّٰہیت کی مجسم تصویر تھے، اسلاف کی روایتوں کے امین اور اہل حق علماء کی شان تھے، آپ کے اختلاف رائے کا انداز کیا تھا؟ اس بارے میں ان کے ہونہار صاحبزادے حضرت مولانا مفتی تقی صاحب عثمانی زید مجدہم کا یہ اقتباس پڑھیئے جو سلاست بیانی، شگفتگی اور دل آویزی کے ساتھ ہم جیسے کوتاہ عملوں کے لئے درس عبرت بھی رکھتا ہے:

علم وتحقیق کے سفر میں ایسے مراحل بھی آتے ہیں جہاں ایک طالب

علم کو کسی دوسرے عالم سے اختلاف کرنا پڑتا ہے، اور بعض مقامات پر اپنے بڑوں سے بھی اختلاف کرنا پڑتا ہے، اس سلسلے میں حضرت والد صاحب کا طرزِ عمل یہ تھا کہ نہ تو کسی کا ادب و احترام اس سے اختلاف رائے کے اظہار میں مانع ہوا اور نہ کبھی اختلاف رائے نے ادب و احترام میں ادنی رخنہ اندازی کی، آپ نے بعض مسائل میں بڑے بڑے علماء سے اختلاف کیا؛ بلکہ اپنے شیخ و مربی حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ سے بھی چند فقہی مسائل میں اختلاف رائے رہا، اور خود حضرت نے آپ سے یہ فرمایا کہ تمہارے دلائل پر مجھے شرح صدر نہیں ہوتا، اور میرے دلائل پر تمہیں شرح صدر نہیں؛ اس لئے دونوں اپنے موقف پر رہیں تو کچھ حرج نہیں، لیکن ایسے مواقع پر حضرت والد صاحب کا عام معمول یہ تھا کہ جن صاحب سے اختلاف رائے ہوا ہے نہ صرف یہ کہ ان کے ادب و احترام میں کوئی ادنی فرق نہ آنے دیتے؛ بلکہ ان کے کلام کا کوئی صحیح محمل بھی تلاش کر کے لکھ دیتے، مثلاً اوزان شرعیہ میں رائج الوقت اوزان کے لحاظ سے درہم کی مقدار مقرر کرنے میں آپ نے حضرت مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بڑے محقق عالم سے اختلاف فرمایا؛ لیکن اس کے لیے صرف اپنے دلائل اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تردید پر اکتفا نہیں کیا؛ بلکہ جستجو کر کے وہ وجہ بھی بیان فرمادی جس سے حضرت مولانا کا عذر واضح ہو جاتا ہے، بڑوں کے علاوہ جب کبھی بھی اپنے کسی معاصر عالم سے بھی کسی مجتہد فیہ مسئلے میں کوئی اختلاف ہوتا تو آپ اس کے ادب و احترام کو پوری طرح ملحوظ رکھتے اور کوئی ایسا

اقدام نہ فرماتے جس سے اس کے علمی مقام کوٹھیس پہنچے یا عوام میں
اس کا اعتماد مجروح ہو۔ (میرے والد میرے شیخ، ص: ۱۳۸)

## مفتی محمود حسن اور مسیح الامت رحمۃ اللہ علیہما کے مابین اختلاف رائے اور آپسی احترام

حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ دونوں معاصر ہیں، معاصرانہ چپقلش اور معاصرانہ رقابت اہل علم کے حلقے میں ایک عام سی بات ہے، بالخصوص جب افکار ونظریات کا اختلاف ہو، ان دونوں بزرگوں کا ایک مسئلے میں اختلاف بھی تھا، حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو حق تھا انہوں نے اس کو ایک رسالہ شوری و اہتمام میں دلائل کے ساتھ تحریر فرمایا، اور حضرت مسیح الامت رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو حق تھا انہوں نے بھی اس کو رسالہ اہتمام وشوری کے نام سے لکھا، تاہم اس اختلاف رائے کے پیچھے عصبیت وگروہ بندی کا جذبہ کارفرمانہ تھا؛ بلکہ اس کی بنیاد قرآن وحدیث کے دلائل تھے، چناں چہ آپس میں نہ کوئی مخالفت ہوئی، نہ عیب جوئی اور بدگمانی؛ بلکہ اس اختلاف کے بعد حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ کو دہلی کے سفر کا اتفاق ہوا، راستہ میں جلال آباد پڑتا تھا، جہاں حضرت مسیح الامت رحمۃ اللہ علیہ قیام پذیر تھے، چنانچہ حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ نے ملاقات کا ارادہ فرمایا، اور بس اڈے پر اترنے کے بجائے مدرسہ مفتاح العلوم میں اترے، حضرت مسیح الامت رحمۃ اللہ علیہ اس وقت مدرسہ کے بجائے گھر پر تشریف فرما تھے، اور گھر مدرسہ سے کچھ فاصلہ پر واقع تھا جہاں پیدل چل کر جانا پڑتا تھا، تو چلتے چلتے کسی مرید نے حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ اگر بس اڈے پر اتر جاتے تو وہاں سواری مل جاتی، یہ سن کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب جواب دیا کہ بھائی! حق تو یہ تھا کہ دیوبند سے ہی چل کر حضرت کی بارگاہ میں حاضری دی جاتی، اگر ہم اتنا نہ کرسکے تو یہاں سے بھی چل کر نہ جائیں۔

(واقعات پڑھیے اور عبرت لیجیے، ص: ۳۱۰)

# اختلاف رائے کے باوجود اتحاد

اتحاد و اتفاق کامیابی اور کامرانی کا عنوان ہے، طاقت وقوت کی شاہ کلید ہے، اتحاد اور اجتماعیت ہی اقوام عالم کو مضبوط بناتا ہے، اور انہیں سر اٹھا کر جینے کا حوصلہ عطا کرتا ہے، اسی سے قوموں کا مستقبل اور خواب وابستہ ہے، اور یہی ان کی تعمیر اور ترقی کا ضامن اور کفیل ہے۔

## اتحاد کی اہمیت قرآن کی روشنی میں

اسی وجہ سے اللہ تبارک وتعالی نے مسلمانوں کو باہم اتحاد و اتفاق سے رہنے کا حکم دیا ہے، اور اختلاف وانتشار سے بچنے کی سخت تاکید کی ہے، چنان چہ اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا (آل عمران:۱۰۳)

اور اللہ کی رسی کو مل کر مضبوطی سے تھامے رکھو، اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو، اور اللہ تعالی نے تم پر جو انعام کیا ہے اسے یاد رکھو کہ ایک وقت تھا جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا، اور اللہ کے فضل سے تم بھائی بھائی بن گئے۔

ایک دوسری جگہ اختلاف اور باہمی جھگڑے کے نقصانات کو واضح کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالی فرماتے ہیں:

وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ (الانفال:٤٦)

اور آپس میں جھگڑا نہ کرو؛ ورنہ تم کمزور پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

## اتحاد قوموں کی ترقی کا سبب

اتحاد و اتفاق جس قوم میں ہوتا ہے اس کا رعب اور دبدبہ لوگوں پر رہتا ہے، حکومت اور قیادت اس کے پاس رہتی ہے، اور جو قوم خود آپسی اختلافات میں گھری ہو، ایک دوسرے سے نفرت اور بغض وعداوت اس کی پہچان بن گئی ہو، تو وہ قوم ذلت اور ناکامی سے دوچار ہوتی ہے، شکستہ پائی اور زبوں طالعی اس کا مقدر ہوتی ہے، یہ ایک ایسی اٹل اور ناقابل انکار حقیقت ہے جس سے کوئی بھی سمجھدار انسان غافل نہیں ہوسکتا۔

## انگریزوں کی پالیسی پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو

یہی وجہ ہے کہ ہمارے ملک ہندوستان میں جہاں آٹھ سو سال تک مسلمانوں نے پوری آن اور شان کے ساتھ حکومت کی، اور ایک طویل عرصے تک اسلامی اقتدار کا جھنڈا پورے برصغیر میں لہراتا رہا، پھر مسلم حکمرانوں کی کوتاہیوں کی وجہ سے انگریزوں کو اس ملک پر تسلط اور غلبہ حاصل ہو گیا، تو انھوں نے اپنی حکومت اور اقتدار کو مضبوط کرنے کے لیے یہ پالیسی اختیار کی کہ ہندو مسلم میں تفرقہ پیدا کیا، مذہبی بنیادوں پر دونوں جماعتوں میں فرقہ واریت کو فروغ دیا، مسلمانوں کے مسلکی اختلافات کو خوب ہوا دیا، مذہبی خطوط پر مسلمانوں کو بانٹنا شروع کیا؛ تاکہ یہاں کے باشندے اپنے ذاتی مسائل میں گھرے رہیں، اور انہیں اپنے متحدہ دشمن سے مقابلہ کرنے اور اس سے لوہا لینے کا خیال بھی دل میں پیدا نہ ہو، انگریزوں کی یہ پالیسی پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کے نام سے مشہور اور معروف ہے۔

آج المیہ یہ ہے کہ ہم چند اختلافی مسائل پر اپنی توانائیاں صرف کر رہے ہیں، اور اسی کو ہم دین وایمان کی خدمت سمجھ رہے ہیں؛ اس لیے ضرورت ہے اس بات کی کہ ہم اختلاف

رائے کے باوجود مل جل کر زندگی بسر کریں، دلائل کی روشنی میں ہم جس موقف کو حق بجانب سمجھتے ہیں اس کو اختیار کریں؛ لیکن اگر کوئی ہم سے اختلاف رائے کرتا ہے تو اسے برداشت کرنے کا خود کو عادی بنائیں، ایک دوسرے کی تکفیر وتحقیر سے بالکلیہ اجتناب کریں، علامہ شعرانی رحمہ اللہ نے اختلاف رائے کے باوجود اتحاد اور یکجہتی پیدا کرنے کے بارے میں کیا ہی خوب بات کہی ہے، وہ فرماتے ہیں: انسان کے ہاتھ کی پانچ انگلیاں ہیں، اور ہر انگلی دوسری انگلیوں سے اپنی ایک خاص شناخت رکھتی ہے ہر انگلی کی لمبائی اور اس کی بناوٹ دوسری انگلیوں سے بالکل مختلف ہے، تاہم جب انسان منہ میں کھانے کا نوالہ ڈالنا چاہتا ہے تو پانچوں انگلیاں اپنی شناخت ختم کر کے یکجا ہو جاتی ہیں، ایسے ہی ہم مسلمانوں کو چاہیے کہ مشترکہ مفادات کے لیے اتحاد اور یکجہتی کا ثبوت دیں، اپنے مسلکی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوں۔

## اختلافی مسائل بہت ہی کم ہیں

اسلام اور عیسائیت میں بہت سی اصولی باتوں میں اختلاف ہے، صرف چند گنے چنے مسائل ہی ہیں جن میں ہمارے اور عیسائیوں میں اشتراک پایا جاتا ہے؛ لیکن اس کے باوجود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رومی شہنشاہ ہرقل کو جو دعوتی خط تحریر کیا تھا اس میں آپ نے یہ آیت کریمہ بھی لکھی تھی:

قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ۔

(آل عمران: ۶۴)

(مسلمانو! یہود ونصاریٰ سے) کہہ دو اے اہل کتاب! تم ایسی بات کی طرف آجاؤ جو ہم اور تم میں مشترک ہو (اور وہ یہ کہ) ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں

اور اللہ کو چھوڑ کر ہم ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں، پھر بھی اگر وہ منہ
موڑیں تو کہہ دینا کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔

یہ حقیقت بھی ہمارے پیش نظر رہنی چاہیے کہ اختلافی مسائل بہت ہی قلیل ہیں، انہیں انگلیوں پر شمار کیا جا سکتا ہے، جبکہ ایسے مسائل بہت زیادہ؛ بلکہ حد شمار سے باہر ہیں جن پر تمام اسلامی مکاتب فکر کا اتفاق ہے، جب صورت حال ایسی ہے تو دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم متحدہ اور اتفاقی مسائل کی بنیاد پر باہم اخوت اور بھائی چارے کو فروغ دیں، ایک دوسرے کے ساتھ محبت اور رواداری سے پیش آئیں، مشترکہ مقاصد کے حصول اور ہمہ گیر آفتوں کے استیصال کے لیے اتحاد اور یکجہتی کا ثبوت دیں۔

## ہمارے موقف میں غلطی کا احتمال

یہ امر بھی ہمیں ملحوظ رہنا چاہیے کہ مجتہد فیہ مسائل کے اندر دلائل شرعیہ کی روشنی میں ہم نے جو موقف اختیار کیا ہے، اور جس رائے کو حق بجانب سمجھا ہے اس میں غلطی اور خطا کا احتمال ہے، اور فریق مخالف نے دلائل کی روشنی میں جو موقف اختیار کیا ہے اس کی صحت اور درستگی کا احتمال ہے، مجتہد فیہ مسائل میں کسی کی رائے حتمی اور حرف آخر نہیں ہے کہ اس میں غلطی اور خطا کا احتمال نہ ہو، یہی سوچ اور یہی فکر حضرات صحابہ تابعین اور تبع تابعین کی بھی تھی، اور اسی کی وجہ سے ان حضرات کا مخالف نظریات کے حامل لوگوں کے ساتھ دوستانہ اور خیر خواہانہ برتاؤ تھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے پاس ایک صاحب مسئلہ دریافت کرنے کے لیے آئے، انھوں نے کہا کہ جاؤ علی اور زید سے پوچھ لو، وہ معلوم کر کے آئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو اس کی اطلاع دی، انھوں نے کہا کہ اگر میں ہوتا تو اس کے برخلاف فیصلہ کرتا، سائل نے کہا کہ آپ با اختیار ہیں، آپ کو ایسا کرنے سے کس نے روکا ہے؟ انھوں نے کہا کہ اگر کتاب وسنت میں صراحتاً اس کا حکم مذکور ہوتا تو میں ضرور اسی کے

مطابق فیصلہ کرتا؛ لیکن یہ صرف میری ایک رائے ہے اور رائے کے سلسلے میں ہم اور وہ دونوں برابر ہیں؛ اس لیے کسی کو دوسرے کی رائے کا پابند نہیں بنایا جاسکتا ہے۔ (دیکھیے اعلام الموقعین ۱/۵۴)

حضرت یحیی بن سعید جو بڑے تابعین میں شمار کیے جاتے ہیں ان کا یہ قول بھی ہمارے لیے مشعل راہ ہے:

> اهل العلم اهل توسعة وما برح المفتيون يختلفون فيحلل هذا ويحرم هذا فلا يعيب هذا على هذا۔
>
> (کشف الخفاء: ۱/۵۷)
>
> علماء کشادہ دل اور وسیع ظرف ہوتے ہیں، ارباب افتاء ہمیشہ باہم اختلاف کرتے رہے ہیں، یہاں تک کہ ایک مفتی ایک چیز کو حلال بتاتا ہے، دوسرا اسی کو حرام بتاتا ہے؛ مگر یہ اس کی عیب جوئی کرتا ہے نہ وہ اس کی عیب جوئی کرتا ہے۔

اس لیے ضرورت ہے اس بات کی کہ ہم اختلافی مسائل میں تشدد نہ برتیں، اور اختلاف رائے رکھنے والوں کے ساتھ محبت اور ہمدردی سے پیش آئیں، راہ حق پر کون ہے؟ اور کس کا نقطہ نظر صحیح اور درست ہے؟ اس کا فیصلہ تو روز قیامت اللہ تبارک وتعالی کی بارگاہ میں ہوگا، ہمیں کیا حق پہنچتا ہے کہ اپنے موقف پر ایسا اصرار اور جمود اختیار کریں کہ ہم اپنے سے اختلاف رائے رکھنے والوں کی تکفیر اور تحقیر کریں، اور ان کی دستار عظمت کو برسر عام اچھالتے رہیں۔

## روز قیامت دو مختلف نقطہ ہائے نظر کی تصویب بھی ہوسکتی ہے

پھر ہمیں اس پہلو پر بھی غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے کہ دو مختلف نقطہ ہائے نظر ممکن ہے کہ قیامت کے دن دونوں کی تصویب ہوجائے، اور دونوں کو درست اور حق بجانب قرار دیا

جائے، جیسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کوغزوہ بنوقریظہ کے موقع پر حکم دیتے ہوئے ارشادفرمایا:

لاَ يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ العَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ۔(بخاری، حدیث نمبر:٩٤٦)

بنوقریظہ پہنچ کر ہی ہر ایک عصر کی نماز پڑھے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سن کر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے غزوہ بنوقریظہ کے لئے تیاری شروع کردی، اور جتنا جلد ممکن ہوسکا وہ بنوقریظہ جانے کے لئے نکل پڑے، راستے میں عصر کی نماز کا وقت ہوگیا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مابین اختلاف ہوگیا، بعض صحابہ کرام کی رائے یہ ہوئی کہ چوں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوقریظہ پہنچ کر عصر کی نماز ادا کرنے کا حکم دیا ہے؛ اس لئے ہم راستے میں نماز عصر ادا نہیں کریں گے؛ بلکہ بنوقریظہ پہنچ کر ہی عصر کی نماز پڑھیں گے، حتی کہ عصر کی نماز کا وقت نکل گیا، اور انہوں نے بنوقریظہ پہنچ کر عصر کی نماز قضا پڑھی، جب کہ دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا موقف یہ تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مقصد جلد سے جلد بنوقریظہ کے لیے روانہ ہونے کا حکم دینا تھا، بنوقریظہ پہنچ کر ہی عصر کی نماز پڑھنے کا حکم دینا آپ کا منشا نہیں ہے؛ اس لیے جب عصر کی نماز کا وقت ہوگیا تو ہم راستے ہی میں عصر کی نماز ادا کریں گے، پھر بنوقریظہ کے لیے روانہ ہوں گے، چنانچہ انہوں نے راستے ہی میں عصر کی نماز ادا کی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دونوں جماعتوں کا عمل پیش کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے عمل پر نکیر نہیں فرمائی۔

الغرض روز قیامت بھی جب اس بات کا امکان ہے کہ دو مختلف نقطہ ہائے نظر کی تصویب ہوجائے، اور نیز مجتہد فیہ مسائل میں دلائل شرعیہ کی روشنی میں صحیح نتیجے تک پہنچنے میں چوں کہ عام طور پر خلوص اور دیانتداری کا عسل مصفی شامل ہوتا ہے تو اس کی برکت سے ممکن ہے

کہ بظاہر آسمان وزمین کا فرق رکھنے والے دو مختلف نقطہ ہائے نظر کو شرف قبولیت بخشا جائے، تو آخر ہم کیوں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے پر زور صرف کررہے ہیں؟ ایک دوسرے کی تذلیل اور توہین میں ہم کیوں اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کو ضائع کررہے ہیں؟ بلکہ اس سلسلہ میں علامہ انورشاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ہمارے لیے چشم کشا اور بصیرت افروز ہے، آپ فرماتے ہیں کہ مجتہد فیہ مسائل میں اولی اور راجح قول کون سا ہے؟ اس کا فیصلہ روز قیامت میں بھی نہیں ہوگا۔ (دین وشریعت کی بنیادیں اور فقہی اصول وضابطے قرآن کی روشنی میں ص: ۱۳۰)

# مسلکی ہم آہنگی اوراس کا طریقہ کار

اختلافی مسائل میں اعتدال اورتوازن پیدا کرنے کے لئے درج ذیل نکات پرعمل آوری کویقینی بنانا مفیداور بہتر رہے گا، اوراس کی وجہ سے ان شاء اللہ دوررس اورحوصلہ افزاء نتائج سامنے آئیں گے۔

## وفاق المساجد کا قیام

ہرعلاقہ میں ایک ایسی کمیٹی تشکیل دی جائے جس میں مختلف مسلک ومشرب کے حامل سربرآوردہ قسم کے لوگ شامل ہوں، جن کا لوگوں پراثر ورسوخ ہو، اورعوام الناس کوان پراعتماد ہو، یہ کمیٹی ایک علاقہ کی تمام مساجد کے ذمہ داروں کواس بات کا پابند بنائے کہ وہ مسجد میں صرف ایسے خطباء ومقررین کوہی اظہارخیال کا موقع دیں جومثبت اورتعمیری مزاج رکھتے ہوں، اورتمام اسلامی مکاتب فکر کے لوگوں کے مابین اتحاداورہم آہنگی کا جذبہ فروغ دینے کا حوصلہ رکھتے ہوں، اورایسے واعظین اورخطباء کومسجد سے دوررکھیں جوتخریبی مزاج رکھتے ہوں، اورتعصب وگروہ بندی پریقین رکھتے ہوں، دوسرے مسلک پرکیچڑ اچھالنااوران پرطعن وتشنیع کرناان کامحبوب اورپسندیدہ مشغلہ ہو، اورخطباء ومقررین کواصلاحی وتذکیری عناوین پرگفتگوکرنے کا پابند بنایا جائے۔

## اصلاحی جلسوں کی تنظیم

آج قریہ قریہ اورشہرشہر بڑے پیمانوں پراصلاحی جلسوں کا انعقادعمل میں لایا جاتا ہے، جن میں عامۃ الناس بڑی تعدادمیں شریک ہوتے ہیں، اوراسٹیج سے جو پیغام ملتا ہے لوگ اس کواپنے لئے مشعل راہ سمجھتے ہیں؛ لیکن یہ ایک تلخ اورتکلیف دہ حقیقت ہے کہ آج اصلاحی

جلسوں کے اس پلیٹ فارم سے نفرت وعداوت کی بیج بوئی جارہی ہے، دوسرے مکتب فکر کے لوگوں پر طنز کرنا اوران کی برسرعام تحقیر کرنا ایک عام سی بات بن چکی ہے، اوراس کی سراسر ذمہ داری ان پیشہ ورمقررین اوردروغ گوواعظین پر عائد ہوتی ہے جو محض اپنی دوکان چمکانے اور جاہل وناخواندہ لوگوں کو اپنی ذات سے وابستہ رکھنے کے لئے اپنی تقاریر میں اختلافی مسائل کوموضوع بحث بناتے ہیں، اوردوسرے مکتب فکر کے لوگوں پر کیچڑ اچھالتے ہیں، اوران پر طعنے اور بھپتیاں کستے ہیں، اوراس کا مقصد بجز اس کے کچھ نہیں ہوتا کہ ایک طرف مسلمانوں کو مسلکی خطوط پر بانٹا جائے، اوران کے درمیان عداوت ودشمنی کی مسموم فضا پیدا کی جائے، تو دوسری طرف اپنے مکتب فکر سے وابستہ لوگوں کا اعتماد حاصل کیا جائے، اوران کی طرف سے نذرانے اور ہدایا کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے۔

ظاہر ہے کہ ایسے مقررین اورواعظین اسلامی معاشرے کی تعمیر نہیں؛ تخریب کررہے ہیں، مسلمانوں میں باہمی اتحادواتفاق کوفروغ دینے کے بجائے افتراق وانتشار کورواج دینے پر زورصرف کررہے ہیں، یہ لوگ مسلمانوں میں دینی بیداری لانے اورطاعت وقبول کی شمع فروزاں کرنے کے بجائے باہمی تعصب اورفرقہ بندی کا مزاج پیدا کررہے ہیں، اوراس کی وجہ سے مسلمانوں کا جوشیرازہ بکھرکررہ گیا ہے اوران کے اجتماعی ڈھانچہ کو جونقصان پہونچا ہے وہ ناقابل بیان ہے، اورشاید یہ کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ دشمنان اسلام اورفرقہ پرست طاقتیں مسلمانوں میں باہمی افتراق وانتشار پھیلانے اوران کے شیرازہ کو منتشر کرنے میں اس قدر کامیاب نہیں ہوئی ہیں جتنی کامیابی کے ساتھ ان نام نہاد مقررین نے یہ گراں مایہ خدمت انجام دی ہے؛ اس لئے اصلاحی جلسوں کی تنظیم کی بھی سخت ضرورت ہے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ پورے ہندوستان بھر میں ایک متحرک اورفعال تنظیم ہے، اوراس سے بحمداللہ تمام مکاتب فکر کے مشہور ومعروف لوگ وابستہ ہیں، اور بلاتفریق مسلک ومشرب تمام مسلمانوں کا اعتماد اس تحریک کو حاصل ہے؛ لہٰذا اگر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

اپنے اہداف ومقاصد میں اصلاحی جلسوں کی تنظیم کو بھی شامل کرلے تو اس کے ہمہ گیر اور دوررس اثرات ظاہر ہوں گے، اور اس کا عملی طریقۂ کار یہ ہو کہ ہر ہر علاقے میں ایک مضبوط اور فعال کمیٹی تشکیل دی جائے، جس میں تمام مکاتب فکر کے لوگوں کو شامل کیا جائے، اور یہ کمیٹی اس بات کو یقینی بنائے کہ علاقائی سطح پر جو بھی دینی پروگرام اور اصلاحی جلسے منعقد ہوں گے اس میں صرف ان مقررین کرام کو ہی خطاب کرنے کا موقع دیا جائے گا جو دلوں کو جوڑنے اور ان میں باہم محبت پیدا کرنے کا جذبہ رکھتے ہوں، اور اختلافی موضوع پر گفتگو کرنے سے گریز کرتے ہوں، اور ایسے مقررین کا بائیکاٹ کیا جائے جو افتراق وانتشار کی کھیتی کو کھاد دیتے ہوں، اور دلوں میں نفرت وعداوت کا زہر بھرتے ہوں۔

## بین المسالک مذاکرات

باہمی اختلاف میں اعتدال اور توازن پیدا کرنے کے لئے بین المسالک مذاکرات کا انعقاد عمل میں لانا بھی ازحد ضروری ہے، مختلف مکاتب فکر کے لوگ ایک ساتھ مل کر بیٹھیں، اور آپس میں ایک دوسرے کے حوالہ سے جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ان کے ازالہ کی کوشش کریں، اظہار خیال کے دوران دل آزار جملوں اور اشتعال انگیز کلمات سے مکمل احتیاط برتیں، اگر کوئی گالی اور دشنام طرازی پر بھی اتر آتا ہے تو بھی اس کا جواب سنجیدگی سے دیں، اور جواب آں غزل کا رنگ پیدا نہ ہونے دیں، باہم گفتگو کا انداز مناظرانہ نہ ہو؛ بلکہ مثبت اور معروضانہ ہو، اس سے بھی ان شاء اللہ اچھے اور مفید اثرات مرتب ہوں گے، اور اختلاف وانتشار کی خلیج کو کم کرنے میں ممد ومعاون ثابت ہوگا۔

## مسلکی ہم آہنگی کے موضوع پر رسائل کی اشاعت

جو حضرات اصحاب قلم ہیں، اور جن کو اللہ تبارک وتعالی نے تحریر اور انشاء پردازی کا ذوق عطا کیا ہے، ان سے گزارش ہے کہ وہ اس موضوع پر مختصر اور مفید رسائل اور کتابچے ترتیب دیں، ان رسائل میں اتحاد ویک جہتی کی اہمیت اور موجودہ زمانہ میں اس کی ضرورت پر

روشنی ڈالی گئی ہو، باہمی تعصب اور گروہ بندی کے مفاسد ونقصانات کو عام فہم انداز میں اجاگر کیا گیا ہو، اختلاف کو برداشت کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ محبت ورواداری سے پیش آنے کی تلقین کی گئی ہو، خیر القرون میں اختلاف کے باوجود صحابہ وتابعین کا جو باہمی طرز عمل تھا اس کو سلجھے ہوئے انداز میں بیان کیا گیا ہو، اور تمام مکاتب فکر کے لوگوں کو مشترکہ بنیادوں پر مل جل کر رہنے کی ترغیب دی گئی ہو۔

دوسرے یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ تمام مکاتب فکر کے مابین اکثر مسائل متفق علیہ ہیں، معدودے چند مسائل ہی ہیں جن میں اسلامی فرقوں کا اختلاف پایا جاتا ہے؛ اس لئے ضرورت ہے کہ ایسے رسائل بھی تیار کئے جائیں جن میں تمام اسلامی مکاتب فکر کے متفقہ مسائل کو جو روزمرہ کی زندگی سے متعلق ہیں عام فہم انداز میں ترتیب دیئے جائیں، اور عامۃ الناس کو ان متفقہ مسائل کی اساس پر ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہنے اور باہمی اختلاف وانتشار کو ختم کرنے کی دعوت دی جائے، اور یہ رسائل اور کتابچے صرف اردو زبان ہی میں نہ ہو؛ بلکہ انگریزی، تیلگو، تمل اور جتنی بھی علاقائی زبانیں ہیں ان سب زبانوں میں رسائل تیار کئے جائیں، اور گھر گھر ان کی مفت تقسیم عمل میں لائی جائے۔

## مناظرے اور مباحثہ پر قدغن

تجربہ اور مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مناظرے بازی اور بحث ومباحثہ سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے، اشتعال انگیز گفتگو اور سخت وتند لب ولہجہ جو ایک مناظرے کا لازمی حصہ ہوتا ہے وہ مخالف لوگوں کے دلوں میں ضد اور عناد پیدا کرتا ہے، قبول وطاعت کی شمع فروزاں کرنے کے بجائے یہ دلوں میں باہمی نفرت وعداوت کو فروغ دیتا ہے، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا شفیع صاحب عثمانی رحمہ اللہ کی یہ چشم کشا اور بصیرت افروز تحریر ملاحظہ ہو:

> میں آغاز شباب میں دوسروں کی تردید کے لئے بڑی شوخ اور چلبلی تحریر لکھنے کا عادی تھا، اور تحریری مناظروں میں میرا طرز تحریر طنزو

تعریض سے بھرپور ہوتا تھا، اور ختم نبوت میں نے اسی زمانہ میں لکھی تھی؛ لیکن اس کے شائع ہونے کے بعد ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس نے میرے انداز تحریر کا رخ بدل دیا، اور وہ یہ ہے کہ میرے پاس ایک قادیانی کا خط آیا، جس میں اس نے لکھا تھا کہ آپ نے اپنی کتاب ختم نبوت میں جو دلائل پیش کئے ہیں، بنظر انصاف پڑھنے کے بعد وہ مجھے بہت مضبوط معلوم ہوتے ہیں، اس کا تقاضہ یہ تھا کہ میں مرزا صاحب کے اتباع سے تائب ہوجاؤں؛ لیکن آپ نے اس کتاب میں جو اسلوب بیان اختیار کیا ہے وہ مجھے اس اقدام سے روکتا ہے، میں سوچتا ہوں کہ جو لوگ حق پر ہوتے ہیں وہ لوگ دلائل پر اکتفا کرتے ہیں، طعن وتشنیع سے کام نہیں لیتے؛ اس لئے میں اب تک اپنے مذہب پر قائم ہوں، اور آپ کے طعن وتشنیع نے دل میں کچھ ضد بھی پیدا کردی ہے، یہ تو معلوم نہیں کہ ان صاحب نے یہ بات کہاں تک درست لکھی تھی؛ لیکن اس واقعہ سے مجھے یہ تنبہ ضرور ہوا کہ طعن وتشنیع کا یہ انداز مفید کم اور مضر زیادہ ہے، چنانچہ اس کے بعد میں نے ختم نبوت پر اس نقطۂ نظر سے نظر ثانی کی اور اس میں ایسے حصے حذف کردیئے جن کا مصرف دل آزاری کے سوا کچھ نہ تھا، اور اس کے بعد کی تحریروں میں دل آزار اسلوب سے مکمل پرہیز شروع کردیا۔ (میرے والد میرے شیخ، ص: ۱۲۰)

اس لئے مناظرے اور بحث ومباحثہ پر پوری طرح سے روک لگانے کی ضرورت ہے، اس کے لئے بہتر یہ ہوگا کہ کوئی سنجیدہ لائحہ عمل تیار کیا جائے، اور بتدریج اس مناظرانہ مزاج کو ختم کرنے کی سعی کی جائے۔

## اصلاحی جلسوں کا انعقاد

اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ شہر شہر اور قریہ قریہ اصلاحی جلسوں کا انعقاد عمل میں لایا جائے، اور اس میں تمام مکاتب فکر کے علماء ودانشوران کو جمع کیا جائے، اور اس اسٹیج سے تمام مکاتب فکر کے علماء اجتماعیت ویکجہتی کی اہمیت پر زور دیں، مسلکی ہم آہنگی کو فروغ دینے کے عملی طریقوں سے عوام الناس کو روشناس کرائیں، منبر ومحراب اور عام جلسوں میں اختلافی موضوع چھیڑنے کی حوصلہ شکنی کریں، یہ پہلو بھی ان شاء اللہ مفید اور نفع بخش ثابت ہوگا۔

## عوام الناس سے دردمندانہ گزارش

عوام الناس سے بھی گزارش کی جاتی ہے کہ وہ صرف ان ہی مقررین کرام کا خطاب سننے کا اہتمام کریں جو اصلاحی اور تذکیری عناوین پر گفتگو کرتے ہوں، اور مثبت اور تعمیری مزاج رکھتے ہوں، اور آپ کے اندر اعمال صالحہ کی چنگاری کو فروزاں کرنے کی کوشش کرتے ہوں، اور ایسے مقررین اور واعظین سے بچیں جو دین کے نام پر فرقہ واریت اور فساد پھیلاتے ہوں، اور باہم اختلاف وانتشار پیدا کر کے ماحول کو مکدر اور مسموم کرنے کی کوشش کرتے ہوں؛ کیوں کہ یہ ایک واقعہ ہے کہ عوام الناس کا ازدحام اور ان کی طرف سے تحسین وآفرین کے فلک شگاف نعرے ہی ایسے پیشہ ور مقررین کے حوصلوں کو مہمیز کا کام دیتے ہیں، اور انہیں سادہ لوح عوام کو مسلکی خطوط پر بانٹنے کا بآسانی موقع فراہم ہوجاتا ہے؛ اس لئے عوامی سطح پر بے حد ضروری ہے کہ ایسے خطباء ومقررین کا بائیکاٹ کیا جائے، اور انہیں منبر ومحراب اور جلسوں میں خطاب کا موقع نہ دیا جائے، ایسا کرنے سے بھی ان شاء اللہ معاشرتی سطح پر اچھے اور خوش گوار اثرات مرتب ہوں گے، اور مسلکی رواداری کو فروغ دینے میں یہ ممد ومعاون ثابت ہوگا۔

## ایک دوسرے کی خوشی وغمی میں شرکت کا اہتمام

مسلکی رواداری کو یقینی بنانے کے لئے یہ امر بھی بے حد ضروری ہے کہ معاشرتی سطح

پر جو دوریاں ہیں ان کو قربت سے تبدیل کیا جائے، اور نفرت وعداوت کے منجمد برف کو مہر محبت ووفا سے پگھلایا جائے، اس کے لئے عملی طور پر کھلے دل سے ہر ہر فرد مسلم کو تیار رہنا چاہیے، چنانچہ شریعت نے ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے جو حقوق وواجبات رکھے ہیں، مثلا: سلام، مصافحہ ومعانقہ، مریض کی مزاج پرسی، جنازہ میں حاضری، تدفین وتکفین میں شرکت، باہمی تعاون وامداد، خوشی وغمی میں شرکت، ہم میں سے ہر ہر فرد مسلم کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان حقوق کو ادا کرنے کا خاص اہتمام کرے، اور اس میں کسی قسم کی مسلکی تفریق نہ برتے، اور اس سلسلہ میں حضرات علماء اور مقتدایان قوم وملت کو آگے بڑھنا چاہیے، کیوں کہ عوام الناس تو ان کے تابع ہوتے ہیں، اور ان ہی کے نقش قدم پر چلتے ہیں؛ اس لئے جب علماء اور پیشوا حضرات اس سلسلہ میں سنجیدگی دکھائیں گے، اور بلا تفریق مسلک ومشرب حقوق مسلم کی ادائیگی کا اہتمام کریں گے، تو ان شاء اللہ عوامی سطح پر بھی اچھے اور مفید نتائج برآمد ہوں گے، اور یہ مسلکی ہم آہنگی کو فروغ دینے کے لئے بہترین اسٹیج ثابت ہوگا۔

اخیر میں اللہ تبارک وتعالی سے دعاء ہے کہ امت مسلمہ کو صحیح اور حق بات سمجھنے کی توفیق نصیب فرمائے، مسلمانوں کے مابین اتحاد واتفاق کی فضا کو پروان چڑھائے، باہم مسلکی اختلافات میں اعتدال اور توازن پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین